برف کی قاشیں

(نثری نظمیں)

شاہد زبیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ٥

برف کی قاشیں

(نثری نظمیں)

شاہد زبیر

دستک

برف کی قاشیں......

پبلیشرز : دستک پبلیکیشنز گلگشت ملتان

ترتیب، آرائش : سندس ممتاز

کمپوزنگ : مہر محمد شکیل (یونیق کمپوزنگ)

پرنٹرز : پرنٹنگ پریس ملتان

اشاعت : جنوری 2012ء

قیمت : 150 روپے

رابطہ : شاہد زبیر

0323-8636111,061-6521019

69 نشمین کالونی بوسن روڈ ملتان

دستک پبلی کیشنز گول باغ گلگشت ملتان

0302-7766622

dastakpublication@yahoo.com

انتساب

مسز نگہت شیرازی

کے نام

شاہد زبیر اور اس کی شاعری

نثری نظم، نظمی نثر اور نثر لطیف جیسی تراکیب پر بحث کئے بغیر اور نثری نظم کے جواز کو مسئلہ بنائے بغیر شاہد زبیر کی مبینہ شاعری کا مطالعہ انتہائی دلچسپ اور فکر انگیز ہے۔ قدرت نے شاہد زبیر کو عمر کے آخری حصہ میں پیمبری عطا کی ہے۔ اگر یہ عطا عمر کے درمیانی حصہ میں ہوتی تو پیغمبری بھی مل سکتی تھی۔ خدا نے پیمبری اور پیغمبری میں حد فاصل کا تعین کیا ہے تو اس کی ضرور کوئی وجہ ہوگی۔ شاہد زبیر نے نظم اور نثر میں حد فاصل نہیں رکھی تو اس کی بھی کوئی وجہ ہوگی، خالق سے وجہ تخلیق پوچھنا اسے شرمندہ کرنے کے مترادف ہے سو شرفاء کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

شاہد زبیر جناتی قوتوں کا حامل ہے۔ اس میں اور جن میں فرق صرف یہ ہے کہ شاہد زبیر کا جناتی عمل خود اس کے تابع ہے جبکہ جن خود کچھ نہیں کرتا۔ وہ اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے جس کے قبضہ میں اس کی جان ہوتی ہے۔ شاید اسی لئے شاہد زبیر کی خلاقی اس کی قدرت عمل کو مہمیز عطا کرتی ہے اور وہ اپنے ہی پروں پر سوا ہفت آسمانوں کی سیر کرتا نظر آتا ہے۔ نت نئے رنگوں کی آمیزش سے تیار ہونے والی تصویروں کے کینوس کبھی ایک نقطہ پر مرکوز ہو جاتے ہیں اور کبھی پوری کائنات کا احاطہ کرنے لگتے ہیں۔ وہ سنگ ریزوں کو چن کر انہیں کسی عالیشان محل کی تعمیر میں خوبصورتی شامل کرنے کیلئے استعمال نہیں کرتا۔ وہ زندگی کے منظر نامہ سے واقعات اکٹھا کر کے کسی عظیم فلسفہ کی تشکیل نہیں کرتا۔ وہ سنگ ریزوں کو ان کی اپنی وجودی صورت میں ہی دیکھتا ہے اور کائنات میں ان کے وجود کی افادیت کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔ وہ واقعات کو واقعات کی صورت میں دیکھتا ہے اور انہیں کائنات پر پھیلانے سے

گریز کرتا ہے۔ہاں اگر قاری ایسا کرنا چاہے تو وہ روکتا بھی نہیں۔

شاہد زبیر اپنی نظموں میں اتنا بے باک ہو جاتا ہے کہ اپنے سر کی چاندی بھی بھول جاتا ہے لیکن یہ بے باکی اسے ایک انفرادیت بھی عطا کرتی ہے۔اس کی نظموں کے موضوعات اتنے متنوع ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اور ڈکشن اتنا جاندار ہے کہ قاری کی توجہ اپنی طرف کھینچتا ہے اور قائل کرتا ہے۔نظموں میں استعمال ہونے والی علامات وتشبیہات دیگر نثری نظموں کے شاعروں کی طرح دراز کار نہیں بلکہ اردگرد پھیلی زندگی سے ہی اخذ کی گئی ہیں۔اس کی تراشیدہ علامات کو کھولنے میں زیادہ تردد نہیں کرنا پڑتا اور انکشاف کا عمل ایک ایسی حیرت کو جنم دیتا ہے جو قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور جلد رہا نہیں کرتی۔ میں اصولی طور پر نثری نظم کا قائل نہیں لیکن شاہد زبیر کی "نثری نظمیں" اپنی بنت اور خیال کی گیرائی اور گہرائی کی بنا پر مجھے قائل کرتی ہیں۔میں ان سے لطف اندوز ہوتا ہوں اور شاہد زبیر کے زور قلم کو اور زیاہ کرنے کی دعا کرتا ہوں۔

سیاسی ماحول کی تبدیلی سے سماجی صورت حال تبدیل ہوتی ہے اور سماجی تبدیلی ہر معاشرہ کے ہر فرد کی نفسیات اور اس سے جڑے نظام اخلاقیات کو تبدیل کرتی ہے۔شاہد زبیر اس صورت حال پر اپنا درعمل ظاہر کرتا ہے اور بعض نظموں میں وہ پرانی اقدار کا تحفظ کرتا اور ان میں پڑی دراڑوں پر نوحہ کناں بھی نظر آتا ہے۔ ہر انسان جدید وقدیم کے درمیان سفر کرتا ہے۔شاہد زبیر بھی اس عمل سے مستثنیٰ نہیں۔آخر وہ بھی ایک انسان ہے۔انسان جو جاگتا بھی ہے اور سوتا بھی ہے۔اونگھتا بھی ہے اور ہڑ بڑا کر اٹھتا بھی ہے۔سوچتا بھی اور پھر چونکتا بھی ہے اور اسے ایسا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ یہی سب کچھ زندگی ہے۔

فیاض تحسین

فہرست

برف کی قاشیں......

آنے والی کتابیں

..... مقالات (اردو ادب)

..... سفرنامہ امریکہ

..... آیات حمیدہ (قرآن پاک سے)

..... برف پر لکھی کہانیاں (افسانے)

..... چڑی کہانیاں (نظمیں)

..... ہائیکو نظمیں

شاہد زبیر

دستک

ملک عدم کا شہزادہ

تم نے اس شخص کو دیکھا ہے
جس کے مجسمے کے ایک ہاتھ میں پھول
دوسرے میں افضال سید کی کندہ نظمیں ہیں
اُسے ملکہ کے بت کی جگہ، نصب کردیا گیا ہے
وہ ہر آنے جانے والے کو دیکھ کر
ان کا تمسخر اڑاتا ہے
اس کی آنکھیں سانپ جیسی
مسحور کردینے والی ہیں
وہ اپنی لپکتی زبان سے کسی بھی
وزن دار گرامی شخص کے منہ میں
زہر انڈیل کر مار سکتا ہے
وہ اپنے گروہ کا بھگوان ہے، جس نے
مذہب کی ایک نئی طرح ڈالی ہے
اس کے چیلے گلی گلی گھوم کر
اس کی تعلیمات پھیلا رہے ہیں
وہ چالاک، مکار اور عیار ہے، جو
دوسروں کو بغاوت پر آمادہ کرکے
باسٹھویں سطر کا تعویز باندھے
بغیر حساب
پل صراط سے گزر جانا چاہتا ہے
اس میں بے پناہ صلاحتیں موجود ہیں،
وہ کسی کو بھی، روٹی لینے، بازار
بھیج سکتا ہے
کار میں بیٹھ کر، کسی بھی مرید کو
اپنے پیچھے، کتے کی طرح بھاگنے کا حکم
دے سکتا ہے
اس کی گرفت ارسطو، افلاطون، ہیگل، کیٹس
اور علم کے سارے ٹھیکیداروں پر ہے
اس میں پتلون اتار دینے کی خداداد صلاحیت
موجود ہے، خواہ اس کی اپنی پتلون ہو،
اسے مرجانے والوں سے ملنے کا جنون ہے
مرے ہوئے آدمی بھی اس سے مل کر خوش
ہوتے ہیں،
وہ اپنے سارے دوستوں کو خودکشی کے فوائد
کے ساتھ
اس کی تلقین کرتا ہے،
وہ زبردست ڈارے باز ہے
وہ اپنے کسی بھی دوست میں، ہاتھی، چیتا یا بندر
دریافت کر سکتا ہے

برف کی قاشیں------

اس کے ہاتھ حیرت انگیز کہانیاں لکھتے ہیں،
وہ لفظوں سے کھیل کر، نت نئی شکلیں بنا سکتا ہے
اس کی نظمیں، ہیجڑوں جیسی انوکھی تخلیق ہیں،
لوگوں کے سامنے وہ ان پر تھوک کر
خوش ہوتا ہے مگر
ان کے جاتے ہی، ٹشو میں لپیٹ کر، دل
میں رکھ لیتا ہے
مرے ہوئے شخص کی خودکشی، اس کا
کنفیشن ہے،
جسے اس نے شرم کے بارے،
کسی پادری کے سامنے،
قبول نہیں کیا وہ ایک سفری واعظ ہے،
جسے فورم، اکیڈمیاں، بزمیں، کالج،
یونیورسٹیاں، لیکچر کے لئے بلاتی ہیں،
نئی نسل کو بگاڑنے میں اس کا
کلیدی کردار ہے
وہ زبان اگلنے پر پوری دستریں رکھتا ہے
لیکن کمپنی کی مشہوری کے لیے،
آلہ تناسل اور بریزیئر کے ذکر سے
اپنے گرو کے آسنوں کو عام کرتا ہے
اس کی شخصیت، کسی ہندو، دیو مالائی

بگڑے شہزادے سے ملتی ہے
جو بہت کم عمری میں ہی، عیش وعشرت کے
تمام مقامات طے کر کے،
عورت سے نفرت کے
مسند پر براجمان ہو گیا ہے
وہ پابلو کا دوست سارتر کا غمگسار اور
سید کا مداح ہے،
وہ اپنے ساتھ بُرے سلوک کا مظاہرہ کرتا ہے
زندگی اس کے لیے ایک غیر سنجیدہ عمل ہے
اس نے اپنا بچہ تلاش کرنے والی بلی کو
اپنے گلے میں بند کر کے،
اس کی آواز سیکھ لی ہے
کسی کو اس کے مرتے ہوئے سانسوں کی
ڈرپ لگا بھی دی جائے تو وہ خودکشی کر لے گا
دوستوں نے اس کے پیچھے،
سارجنٹ کے بوٹ لگا رکھے ہیں
وہ ایسا ہیجڑا ہے جو دوستوں کے سر
قلم کرنے کی بجائے
انہیں خودکشی کی دعوت نامے بھیجتا ہے،
اسے پورا مارنے کے لیے، ایک آتشک زدہ
بوڑھے کی ضرورت ہے جو

ـ کی قاشیں......

اس کے ساتھ پوری رات
بسر کر سکے
اس نے اپنی نظموں کا پیشاب پی کر
طویل عمری کا راز پالیا ہے،
وہ بہت زمانوں تک زندہ رہنے والا ہے
اس کی کارکردگی کے سبب اسے دفنایا نہیں
جاسکا اس کا بت بنا کر،
ریگل چوک کی باغیچی میں
نصب کردیا ہے
عام زیارت کی اجازت ہے۔

بوسیدہ

تمہاری زلفیں، سونف کی تازہ
کونپلوں سے بندھی ہیں،
سؤنے جوڑے والیوں کا ان سے
دور کا رشتہ ہے،
نامناسب حیاء کو دور ہٹا کر، تم میری
بذلہ سنجی کا امتحان لے سکتی ہو،
اپنی خواصوں کو تھوڑی دیر کے لیے
دور بھیج سکتی ہو،
اون کے نرم گرم جامے میں
وہ غضب کی سانوری پھول چنتی ہے،
یہ عہد مختصر، کس قدر طویل تھا، جیسے ہجر کا زمانہ،
یہ سعد سے ہیں صبح ہونے والی ہے
راگ رنگ اضطراب لانے ہی والا ہے،
جلد ہی، اس میں سے ایک گنوار
اجڈ عورت برآمد ہوگی، جس نے
بھڑ بھونجوں سی صدری پہنی ہوگی
سلیقے سے عاری، جو تمہارے گن گاتی
رخصت ہوگی، اس کو کہنا باہر نکلتے،
کم از کم اپنے ٹخنوں کو ڈھانپ لے
اپنے بوسید کپڑوں سے

تین صدیاں

ہم تین صدیاں پہلے
گھوڑوں کی پشت پر
سفر کرتے ہوئے ملے تھے
تمہارے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا
تم جنگ ہارے ہوئے سپاہی تھے
تم نے اپنی جنگ میں
سینکڑوں دیواریں ڈھادیں،
ان میں بسنے والی لڑکیوں کے
بے شمار بوسے لیے
تمہیں لگتا تھا، ایک دن ان کی گرمی
رومال میں باندھ کر ساتھ لے جاؤ گے
لیکن تمہیں تو کسی نے راستے ہی میں
مار ڈالا، تمہارے قدموں کے نشان پر
ایک اور ''تم'' کر روانہ کر دیا،
تمہارے پاس اسی کے پاؤں اور
اُسی کے ہاتھ تھے
تمہیں ننگا کر کے دیکھا گیا لیکن
تمہارے اندر کی چیزیں تم سے نہیں ملتی تھیں
تمہیں حقیقی زندگی کے لیے

ایک قبرستان درکار تھا جہاں تم
تھوڑی دیر کے لیے رک کر
اپنا میک اپ، گیٹ اپ
درست کر سکو، لیکن
ریت کی دیواروں میں دروازے ہی نہیں تھے.
ان میں چیونٹیوں نے چھوٹی چھوٹی
ڈھیریاں بنا رکھی تھیں
تمہارے جنازے کا بھرم رکھنے کو،
تمہارے تن کے
کپڑے اتار کر، تمہارے تھکے پاؤں
تبدیل کرنا ضروری تھے تاکہ تم
باقی سفر کے لیے تازہ دم ہو سکو
میں نے گھوڑے سے تمہارا تابوت اتار کر
تمہارے نہ ہونے کو، دوبارہ
تمہاری شکل دی،
میرے لیے، تمہاری لاش کو اٹھائے
شہروں کے درمیان
فاصلوں کو کم کرنا
اپنا وجود منانے کے مترادف تھا
وہ گلیاں جن سے تم شناسا نہیں تھے
تم نے وہاں دفن ہونا کبھی پسند نہیں کیا

برف کی قاشیں-------

اس طرح بے کسی میں دوبارہ پیدا ہونے میں
کوئی عظمت نہیں تھی
میں جانتا تھا کہ ہر شے فنا ہونے کے بعد بھی
تم زندہ رہنے والے، ہو آخر
میں نے تھک کر تمہیں کندھے سے اتار کر
بہاؤ پر چھوڑ دیا
میں جانتا ہوں، ہم دونوں
تین صدیاں پہلے پھر ملیں گے

ادھ ماتی

عورتوں نے برف جیسے اجلے کپڑے پہنے
گندم کے خوشوں کے ہار بنائے
فصل کے پہلے پھل کی بھینٹ چڑھائی
ایک سانوری شہزادی،
خواستگاروں کی فہرست سے
نالاں نومیدی میں، خودکشی پر آمادہ تھی،
آیا نے سفید چونڈا کھول کر، اپنی
کھوکھلی چھاتیوں کو پیٹا، اپنے دودھ کا
واسطہ دیا کہ اسے کیا روگ ہے۔
سماجت جب دیوار پار اتر گئی
تو شہزادی، آنسوؤں کی ندی میں
ڈوب کر بولی،
مری ماں مجھ سے زیادہ خوش نصیب ہے
اسے سب سے زیادہ شکیل مرد ملا ہے
ہیبت ناک حقیقت، واضح ہو کر
ننگی سامنے لیٹ گئی تھی،
کپکپا رہی تھی، سن تھی
جھرجھری لے کر، ادھ ماتی بولی،
میری بیٹی، تیری خواہش ____ آگے
'پوری ہوگی'۔

لاحاصلی کا حاصل

میری رندھی ہوئی آنکھوں میں
جھانک کر دیکھ،
مجھے ایک بوڑھے نے
تمہاری تلاش میں بھیجا تھا
میں رستے میں کھو گیا
جس کے لیے معذرت ہے
میں سارا سارا دن اور
پوری پوری رات چلتا رہا ہوں
تھک کر سوتا تو، سفر کا بھوت
مجھے پھر سے جگا دیتا
میرا سفر، پیہم اور نمودار تھا
کئی بار مجھے شک گزرا کہ میرا پاؤں
میرا سوتیلا بھائی ہے، ایک بار
میں اسے ایک درخت تلے، سوتا چھوڑ کر
آگے بڑھا تو اس نے
کھینچ کر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور
دوسرے پر
چاند رکھ دیا،
خوف سنسناتا میری ہڈیوں میں اتر گیا،
میں آگے چل پڑا، مجھے پتہ تھا، میں نے
پلٹ کر دیکھا، تو پتھر کا بن جاؤں گا
میرے سفر سے ہوائیں بھی،
بددل تھیں، بغیر الوداع کہے
گذر جاتی تھیں،
موسلادھار بارشیں، میرے خیمے سے
ڈر کر دور ہی سے گذرتی رہیں،
میرے جسم پر ریت اور مٹی، ایک قبر کی طرح
لپٹی تھی، لوگوں کے لئے میں عبرت کا ایک
گھومتا ہوا، بگولا تھا،
راہ میں ملنے والا اسفید ریش کہتا تھا،
جو کچھ تم سیکھ کر آتے ہو، وہ محض ایک واہمہ تھا،
تم سے پہلے بہت سے کمال کرنے والے،
گذر گئے، یہاں تک آئے ہیں لیکن وہ
ماورائیت پر یقین نہیں رکھتے تھے
اس نے روشنی کا ایک ہیولا لپیٹ کر
مجھے بےہوشی کے غار میں دھکیل دیا۔
وہ ہیولا اب صدیوں کے سکوت میں کہیں
پیچھے رہ گیا ہے
مجھے پتہ چل گیا ہے کہ خواب صرف مجنون
ہوتے ہیں
البتہ اب میں ہاتھ سے ایک جرعہ پانی، تہہ سے

برف کی قاشیں------

نکال سکتا ہوں، مگر پتھروں کی کاٹ نے
میرے پاؤں رستے زخم بنا دیے ہیں،
پھر بھی میں پانیوں پر چل سکتا ہوں
مجھے پتہ تھا کہ میرے سفرے کے اختتام پر
ایک چٹیل میدان ضرور آئے گا
لیکن یہاں کوئی ٹھہراؤ نہیں
جسم ناتواں اور روح مردہ
ہونے لگی ہے،
لاچاری اور درماندگی کا مرحلہ آن پہنچا ہے
مجھ پر عقدہ یہ کھلا ہے کہ تربیت اور
اسباق، محض ایک پڑاؤ ہے
اس سے آگے کا سفر، یہ ہے کہ ایک
جنت نشان گڑھے کو، اپنا مسکن بنا کر
یہ سفر تج دیا جائے،

رہائی کا صور

مجھے خاک کے ذروں میں باندھ دیا گیا ہے
قیامت ’کن‘ کی مٹھی میں بند کر دی گئی ہے
غلیظ چھینٹوں کی یلغار،
اپنے سانچے میں ڈھال کر
ہمیں قید کر گئی ہے
اس سانچے نے شیطان کا
روپ دھارن کر رکھا ہے
ہمارے جسم کے غبار میں ستارے
جلتے بجھتے رہتے ہیں
انکشاف کی صورت فی الحال
بالکل نظر نہیں آتی،
عکس آئینوں میں بند ہیں،
ان کی آزادی کا وقت مقرر ہے،
تب تک ہمیں ان کے ساتھ بیٹھے رہنا ہے
آوازوں کی دنیا میں پھڑپھڑاہٹیں ملی ہیں،
صدائیں بن راستوں کے بھاگتی پھرتی ہیں،
مسافر، سارے، بے دست و پا ہیں،
ہر طرف ’ادھر جانا منع ہے‘ کا بورڈ لٹکا ہے
آنکھ کو بھانے والے منظر
رنگین دائروں میں پھیلے ہیں،

ان کو لوگ آگہی کہتے ہیں،
ستم تو آغاز کے ساتھ ہی ایجاد ہوا تھا
دوزخ زدہ چہروں کو لے کر
زرد زرد ویرانیوں کے
سہرے باندھے،
رسم جہاں کا ایندھن بنے،
بے کسی اور غم کا لبادہ اوڑھے
غربت کا لباس پہنے کھڑے ہیں،
انسان کی بے بسی پر خزاں کی لو
امڈ رہی ہے،
فضا میں کانٹے، سوچیں شکار کئے
کھڑے ہیں طبقات میں تصادم پیدا کر کے،
تو نے لوح تقدیر لکھ کر لٹکا دی،
دوزخ کو غربت کی مثال بنا کر
اس پر جن کا چہرہ لگا دیا،
پرودگار، میں کس مصیبت میں گھر گیا ہوں
میری رہائی کا صور پھونک دیا جائے
مجھے ذرہ بنا کر اڑا دیا جائے۔

گمنام لوگ

گمنام لوگوں کو تلاش کرنے والا
صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا ہے
اسکی آنکھیں سبزی مائل نیلاہٹ سے بجی ہیں،
اس کے سر پر خوان ہیں جنہیں
پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں،
ایک ارغوانی جام، اس کے سامنے سجا ہے
اس کے یخ بستہ خیالات، اپنی
دن رات کی حرکات کو، نہائت
مشتبہ، نظروں سے دیکھتے ہیں،
اس کی لمبی شفاف انگلیاں کسی
ماہر سرجن سے ملتی ہیں،
وہ بار بار اپنے ہونٹوں پر بے طرح
زبان پھیرتا ہے
اس نے سڑک پر ایک پیٹے جانے والے
نوجوان کو دیکھ لیا ہے جو بظاہر اس کا بیٹا لگتا ہے
وہ روزانہ ایسے یا اسی سے ملتے جلتے خواب
دیکھتا ہے، اگلے روز، اس کہانی کو
Reverse کر کے دیکھتا ہے،
بعض اوقات کسی اور کی تلاش میں
اس نے اپنا جسم خود سے جدا بھی دیکھا ہے،

برف کی قاشیں.......

رونگٹے کھڑے کرنے والی باتیں، سرکٹی شہزادی کی
گردن سے قطرہ قطرہ گرتے لہو سے سجی ہیں
کبھی کبھی یہ شہزادی کٹے سر سمیت
صوفے سے اٹھ کر،
دروازے کی طرف بھاگتی ہے
وہ سوچتا ہے کہ وہ کہیں ذہنی مریض تو نہیں،
اس کا کھانا تو شاندار ہے مگر اس کی
جنس سیراب نہیں ہو پاتی
کیا وہ محض نسل کشی کے لئے آیا تھا یا پھر
کچھ اس سے ماورا ہے
وہ نہیں جان پاتا کہ ایک ناقابل فہم تخلیق
روحانی کیفیت میں بُنی گئی تصویر،
دنیا کو کیسے الٹ پلٹ کر سکتی ہے
آنکھیں، بوجھل ہیں، لاشیں کٹے پھٹے
راستوں، ریت کے مرغولوں میں بین کرتی،
اڑتی پھرنے لگی ہیں
اس کے ہاتھ پر، اپنی ہی گردن کا
خون بہہ نکلا ہے،
دنیا کا حسین ترین منظر،
ایک لامتناہی سکون لئے
سامنے کی دیوار پر آن کر بیٹھ گیا ہے،

سیب آسیب

میرے باغیچے میں لگے سیبوں پر
آسیب کا سایہ ہے
پیلے ہو کر اوائل عمری میں گر جاتے ہیں

میں نے دیویوں کی مدد طلب کی جو
میرے لئے تھیبس کی فصل بنانے کو
پتھر جمع کر رہی تھیں
ان کی کوشش تھی کہ میرے الفاظ
میری خواہش کے واقعات سے بھٹکنے نہ پائیں

فاتحین نے یہاں کے عالی شان
دیر و معابد، مقبروں اور بت خانوں کو
القصر کہا تھا، جہاں
فرعونوں کا لاتعداد خزانہ اور
صدیوں کی تہذیب
زیر زمین دفن یا غاروں میں پوشیدہ تھی

پرانے جنگل میں ایک غار تھا،
جہاں ٹھنڈے پانیوں کے چشمے ابلتے تھے

برف کی قاشیں......

یہاں پوشیدہ مار مارس نے اجل رسیدہ
مسافروں کو ہلاک کر ڈالا، اور یوں
آب، حیواں، ان کے لیے ہلاہل ثابت ہوا
ہم نے دشت پر دشت، بیابان پر بیابان الٹے
مگر گوہر گم گشتہ کا کوئی سراغ نہیں ملا
ناچار ہو کر ہیکل اپالو پر حاضر ہو کر
ہمت خواہ ہوئے
اے بزرگ آفتاب، اے یزداں پاک
ہماری مشکل آسان کر!
یہاں مرد خجستہ کی مربیہ
پردہ غیب میں ظاہر ہوئی
اس نے زمین میں ہل چلا کر
سیاڑوں سے ہتھیار بند مرد دیافت کئے جو
نکلتے ہی، آپس میں گتھ گئے، آخر میں
پانچ جوان بچے رہے، باقی سب کھیت رہے۔
شعر و نغمہ کی دیویاں، اس خوبی سے
باجا بجاتی تھیں کہ ایک پہاڑ کے پتھر
لڑھک کر نیچے آنے لگے جن سے
شہر کی فصیل بن گئی
ہر طرف سیب اگا دیے گئے
اب ________!

کچھ بھی ہو سکتا ہے

کبڑا بیوی کی موت کے بعد
سیدھا کھڑا ہو سکتا ہے
خالی کرسیوں کو خطاب کر سکتا ہے
منہ سے آگ اور دھواں نکال کر
موت کے کنویں میں موٹر سائیکل
چلا سکتا ہے
یہاں سچ رنگ رلیاں مناتا ہے
جھوٹ زار و قطار آنسو بہاتا ہے
یہاں تو دیئے کے ساتھ رادھا
ساری رات جاگتی ہے
سٹیشن سے چھوٹنے والی گاڑی
آدھے مسافروں کو خوش باش
سٹیشن کے پلیٹ فارم پر چھوڑ جاتی ہے
لڑکے نوکریوں کی چھری تلے دبے ہیں
یا پھر چھوکریوں کی چھری تلے
ٹی وی کے اشتہار، ہمارا
پسندیدہ مشغلہ ہیں، مگر
ان کے وقفوں میں ہمیں،
خبریں دیکھنا پڑتی ہیں،

ف کی قاشیں......

دھواں، دیواروں پر بہت سے بھوت
بنائے رکھتا ہے۔
سرکش بوٹ ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے ہیں
زلزلے سے گزری عورت، بڑی
زرخیز ہوتی ہے

سرگوشیاں

مرنے سے پہلے
وہ اپنے جاننے والوں کے غم سے
مر گیا تھا،
اس کے ہونٹوں پر
جھوٹی سی کئی
کڑی سوچیں، لہر بن کر ٹھہر گئی تھیں
ناآسودہ خواہشوں کا
گلابی تماشا لگا تھا،
دیکھیں، ہر شرط جیت جاتی تھیں
اس کے ہاتھوں پر بالوں کا
ایک گچھا رکھ دیا گیا تھا
اس کے چراغ بھی اپنے تھے، منتر بھی اپنے
اس کی سنسان سڑکوں پر،
ننگی شاخیں، سیاہ دوشالہ پہنے،
تھر تھر کانپتی تھیں
اس کی کٹی انگلیوں نے، سارے گھونسلے توڑ کر
امن کے پرند، آزاد کر دیئے تھے
آگ اس کے سینے پر بے سدھ
پڑھی رہتی تھی،

برف کی قاشیں.......

وہ اپنے ہاتھ سے مکا بناتا اور
ہوا کے منہ پر دے مارتا
اس کے دماغ کے خلیئے ایک دھماکے میں
اڑ چکے تھے،
وہاں اب اس کی لاش،
ایک ڈالی پر لٹک رہی تھی
کچھ سرگوشیاں تھیں، جو
بہہ کر نکل رہی تھیں

مزدور

وحشت کا کوئی اندازہ نہیں
ہر کوئی سایوں سے تعاقب میں لگا ہے
اس شہر کی روداد
قسمت کے قلم سے لکھی ہے
قتل پر ندامت کا کوئی جواز نہیں
ہر کوئی 'میں کون ہوں' کو ڈھونڈتا پھرتا ہے
مدتوں بعد وطن آنے والوں کے
ٹھکانے کھو گئے ہیں
وہاں کا چاند ٹھنڈا، یہاں کا انگارا ہے
بے مائیگی ہنس کر کہتی ہے،
یہ تو صرف اشارہ ہے
محفل کا عناد، اسے اچھا نہیں لگتا لیکن
بیر رکھنے کے اس کے پاس،
سینکڑوں جواز ہیں
جب سے وہ دبے پاؤں،
میرے تعاقب میں ہے
میں نے جان بوجھ کر
آنکھیں بند کر رکھی ہیں،
میری مکاری تک اس کی پہنچ نہیں،

چہروں پر نقش وفا لیے پھرنے والے
دلوں کے بغض و حسد سے زخمی ہیں
میرے دشمن، چاک کی نرم موم مٹی پر
اپنی پسند کے صحیفے لکھتے ہیں،
جمال قدیم کا نزول،
سلیقے سے گندھے
انکار کی آرزو پر ہے
مزدور، کبھی اپنی مزدوری
ٹھیک سے انجام نہیں دیتے۔

سازش

میرے اندر ایک جنگل سا اُگ آیا ہے
پرندوں نے، میرے اندر،
آشیانے بنا لیئے ہیں
پراسراری مجھ میں بڑھتی جاتی ہے
میں تو ایک ٹیک لے کر کھڑا ہوا تھا
مسمار ہوتی، دیواریں کہاں سے نکل آئیں
مجھے مرکزی کردار ماننے والوں نے
میری عزاداری کے لیے، کچھ خوش الحان
علیحدہ ٹولیوں میں بٹھا دیئے ہیں
میری بہت سی باتیں باہر رہ گئی ہیں
شائد یہ سازش میں نے خود تیار کی تھی
مجھے چڑیوں کی بڑی پریشانی ہے،
کچھ لوگ میرے اندر کی چوپال کا
پیپل کاٹ کر لے گئے ہیں
میری روح کو کیچڑ میں لتھاڑ کر،
میرے خواب اوندھے منہ،
گارے پر مل گئے ہیں
میرے باسی، عجیب لوگ ہیں،
بیدار ہی نہیں ہوتے، دھوپ تیز ہو جائے

تو اٹھ کر
چھاؤں میں لیٹ جاتے ہیں،
سب کے سب سفید چادریں لپیٹے،
تہی دست ہیں
ہر ایک لاتعلق نظر آتا ہے،
صرف سونا چاہتا ہے
یہ اعصاب گزیدہ لوگ،
منفی میلانات سمیٹے
تخلیق نو کے نئے،
زاویوں کی تحریک دیتے ہیں
اب زرناشناسی، مسرت ناآشنائی، تنہائی
اور اعصابی پژمردگی کے دروازے
کھل رہے ہیں،
آؤ ان کی پیدائش کے برعکس،
یوم سوگ کا ترانہ گائیں
ان کے سارے برس، بجھ گئے ہیں

کند ذہن شہزادہ

افسانے میں جو شہزادہ،
سرپٹ گھوڑا بھگاتا آتا ہے،
اس کے سم میری چھاتی پر بج رہے ہیں،
اس کا لباس. جس میں سورج بھڑکتا ہے
اس کی یکتائی اور توانائی نے،
لڑکیوں کے رخسار گرم کر دیئے ہیں
ان کے دل ذبح ہوتے مرغ کی مانند
پھڑپھڑاتے ہیں
وہ اڑتا ہوا میری خواب گاہ کی جانب
چلا آتا ہے، میرا محل
ایک نور سے بھر گیا ہے، مگر
اسے یہ محل پسند نہیں وہ
میری بغل میں ہاتھ دے کر
مجھے زمین سے اٹھا لے گا،
جب وہ مجھے، اپنے آگے بٹھا کر
میرے شہر کی گلیوں سے گذرے گا
لڑکیاں، زبان پر تالا لگا کر
کہیں گی، شہزادے کسی کے نہیں ہوتے
انہیں تو صرف شہزادیاں راس آتی ہیں

...کی قاشیں......

...ہم میں سے کتنی ہیں جو
اس حرامزادی سے کہیں بڑھ کر
خوبصورت ہیں اور یہ شہزاہ
کتنا احمق، اندھا اور کند ذہن ہے
اس کو شہزادہ کہنا، شہزادوں کی
توہین ہے۔

خوشبو

یہ عقدہ میں کھول سکتا ہوں،
میں ہی دوزخ میں مہکتی ہوئی
جنت ہوں
میرے پچھواڑے کا، چھوٹا کمرہ
جہاں کچھ مذہبی کتابیں،
میری عقل سے، بہت بڑی ہیں،
کچھ گونگے مفہوم، جن کے معنی
کھو گئے ہیں،
کچھ بال پن ہیں
جن کی سیاسی ختم ہو چکی ہے
ایک جار میں رکھے ہیں
یہ سب تیری یاد کا حصہ ہیں، اور
تیرے نام کے کچھ خطوط ہیں
جنہیں میں نے کتاب کی
پہلی تہہ کے نیچے فتوے کے خوف سے
دبا رکھا ہے
ان میں تیری نادانیوں کی تصویریں ہیں،
جن سے بظاہر، جنت کی صورت
نکلنے والا نہیں تھا،

برف کی قاشیں......

میں سمجھتا تھا، یہ خطوط مجاز ہیں،
حقیقت میں ہوں،
اصحاب خبر کہتے تھے،
میری عبادتیں ادھوری
صرف کتابوں سے مستعار ہیں،
نعروں سے امن کی بنیاد
ہلائی جا سکتی ہے
یہ تو ساری ہوا الٹی ہے
عقل بجھ گئی ہے
خوشبو باقی ہے

فضول چیز

دنیا کی کوئی حقیقت ہے؟
کوئی منطق ہے؟
مجھے تو لگتا ہے، سب کچھ
سراب ہے، دھوکا ہے
میں آسمان میں لٹکی ساری
گھنٹیاں بجا کر دیکھ چکا ہوں،
ہوا کو مٹھیوں میں جکڑ کر پھرول، چپکا
ریت میرے ہاتھ میں
ٹھہرنے پر کبھی راضی نہیں ہوئی
پانی سمندر کی گود میں چھپا بیٹھا ہے
اُسے اس کی خندق سے نکال کر
دیکھا وہ تو فوراً رنگ بدل لیتا ہے،
آتش کدوں کی آگ،
برسوں آزمائی، اس میں
تراش خراش کر، بھگوان بٹھائے
سالے، سارے گم سم بے زبان
گنگ نکلے آخری چیز مٹی تھی،
اس کی سب سے بہتر تخلیق میں تھا،،
خود کو بھی آزمایا، گھما پھرا کر دیکھا
میں بھی فضول سی چیز برآمد ہوا۔

منظر

گاؤں کے گرد پھیلا
برف کا منظر، پگھلا دینا چاہیے،
ممکن ہے، برف باٹنے والے کو
یہ بات گراں گزرے لیکن
جہاں گھوڑے دوڑ ہی نہ سکیں، وہ
آدھی منجمد جھیلوں میں غرق ہو جائیں
ان کی زینوں کی کاٹھیوں پر
دور تک سوار پتھریلے ہوں
تاریکیاں، یخ بستہ ہواؤں پر
جھول رہی ہوں،
سفر کے قرض،
ابھی ادھار کے کھاتے میں لکھے ہوں،
ان میں گزرنے والے،
لوہے کے دانتوں والے مرد،
جو کیل اور لکڑی کو کھا سکیں،
اپنے سینے پر ہڈیوں کے
ڈھانچوں والی لڑکیاں باندھ کر
برفیلے میل طے کر سکیں
برف کی سلوں پر دوڑ کر،
سٹیشنوں کے خواب لکھ سکیں
اپنی بوڑھیوں کو گھسیٹ کر ہسپتالوں میں
لے جا سکیں
ان منظر ناموں کو نابود کر کے
کرسی پر بیٹھ جانا چاہیے

ہاتھی دانت کا مجسمہ

بت تراش نے ہاتھی دانت سے
ایک مجسمہ تراشا
اور اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا
اسے لگتا کہ کوئی کامنی،
ابھی اس خواب سے اٹھ جائے گی
مجسمے کا جسم جوبن سے گدرایا،
گوشت سے بھرا بھرا یا لگتا تھا
وہ اس کے لبالب بوسے لیتا،
ڈرتا کہ اس کے ہاتھ کہیں جسم میں
کُھب نہ جائیں، اور ناخن
کوئی خراش ڈال دیں،

زہرہ دیوی کے تہوار، وہ اس کے
پاؤں میں ڈھیر ہوا،
وینس نے تین بار آتشین زبان سے
شعلہ بار، قبولیت عطا کی

اب مجسمے میں نرمی تھی، ہونٹ
نشیلی جوت سے دمک اٹھے

کومل جسم میں ایک نئی باس اٹھنے لگی،
نئی حرارت بدن میں پاتے ہی وہ
لبوں سے اس میں پیوست ہو گیا،
حیاء کی جھلکیاں، مخمور غلافی آنکھیں۔
وہ آغوش محبت میں سما گئی
بزم وصال میں پنچم اور کھرج کے سر
گونجنے لگے تھے

شرم

شرمیں مرگئی ہیں
بے شرمیاں جوان ہوگئیں
جاؤ اپنی شرمیں تلاش کرو،
تمہیں ہنکانے والے سانڈ،
اڑوس پڑوس میں، پیاسی زمین،
سیراب کرتے ہیں،
بکریاں، ایک دوسرے کو دیکھ کر
شرم سے دوہری ہوئی جاتی ہیں،
گھر گھر فلمیں چل رہی ہیں،
بیاہے، کنواریاں سب دیکھتی ہیں،
اب تو گجریوں کے بیٹے بہوئیں
مصلّیوں، میراثیوں کی طرح
ایک ہی بستر پر سوتے ہیں،
سنتے تھے کنجریاں، سرخی لگاتی ہیں،
مگر دینیات کی کتاب میں تو لکھا ہے کہ
چغلی کھانا گناہ ہے،
بوکے کا پانی سر پر ڈال لینے سے
شرم کا کیا تعلق ہے،
تم میں تو اب، کچا کرنٹ آتا ہے،
بیٹھ کر اپنی شرم ڈھک لو، سب دکھائی دیتا ہے

اندھے قتل

میں اپنے پاؤں کے نشان
دیکھتے دیکھتے لوٹ گیا
مسخروں کا بے نقاب ہونا
غصے کا نہیں، شرمندگی کا مقام تھا
ایمپلی فائرا ایکٹ میں،
پولیوزدہ شقیں شامل ہیں،
عطائی دوکانیں بند کر کے بھاگ اٹھے
انہیں کلینیکل سائیکالوجی کی
کلاسز میں بند کرو۔
بہتر ہے ہم اپنے بچے،
علاج کے لیے بھارت بھیجیں
امن کی آشا کے تحت غریبوں کا وہاں
مفت علاج کیا جاتا ہے
ہمارے ہاں قتل، کرامات کے
زمرے میں داخل ہیں
مائیں، کسی خوف کے، حقیقت کا روپ
دھارنے سے ڈرتی ہیں
پیلے سوٹیر پر نیلے اور فیروزی دھاگوں
کی بنت والی
ارفع،

برف کی قاشیں......

میرے آسمان کا بیش قیمت ستارا تھا
چیف جسٹس نے گواہی دی ہے کہ
عدلیہ میں بے پناہ کرپشن ہے
دو چار کے مرنے کی نہیں، یہ سب لوگ
دن میں کئی بار مرتے ہیں،
ان اندھے قتلوں کی کوئی تحقیق نہیں،
کوئی سزا نہیں۔ بے نظیر

اسیری

اسیری کے بوٹوں میں
پاؤں کو اتار کر
آسائشوں کو خرید لو

آدمی کو شخص یا شخصیت
محض آسانی کے لیے کہا جاتا ہے
یہ ہرگز مفرد نہیں، مرکب ہے،

جسم کے ساتھ، روح بھی تبدیلی سے
گزرتی رہتی ہے۔ا! فانی نہیں ہوسکتی
اسے گزر کر مرجانا ہوتا ہے،

روح اپنے قالب بدلتی رہتی ہے
ایک جاتا ہے، دوسرا آجاتا ہے،
پھر بھیجتا کون ہے؟

طلسمی کمر بند، زندگی کو اپنی طرف مائل کرتا ہے
سمندر میں نہا کر، اس کا کنوارا پن
بحال ہوجاتا ہے

برف کی قاشیں.......

جمال کی دوشیزگی نکھر آتی ہے
وہ قلب انسانی کو نشانہ بنا کر، اس میں
شہوانی جذبات پیدا کرتا ہے
اپنا اسیر کر لیتا ہے
آسائش کو خریدنا ہوتا ہے

کرنل

سرخ چہرہ، جلال کی آگ میں جل رہا تھا،
خستہ حال بیٹی کے لیے ایک چٹکی زہر عطا ہو
زندگی اور موت سگی بہنیں ہیں
ایک ہی کھوکھ سے پیدا ہوتی ہیں،
کل ایک انہونی ہوئی،
اس بار، موت کی کھوکھ سے ایک
زندگی نے جنم لیا،
موت تو سرمایہ غم ہے جس کے
چھن جانے کا خوف موجود نہیں
تعویز چھ بیٹیاں پیدا کر سکتا ہے
زلزلہ بس کچھ ثانیے رہتا ہے
سب کچھ تہس نہس ہو جاتا ہے
آنے والے کرنل کا نام کوئی نہیں جانتہ
ناک میں ہیرے کی کیل،
دور سے جگمگاتی ہے،
تعویز دھاگے کی اثر پذیری میں
گیلے کمبل کا ہاتھ ہے،
چالیس پینتالیس سال والوں کا
ادھڑی ہوئی لڑکیاں،
انتظار کرتی ہیں۔

انڈرگامنٹس

میں لان میں میز کرسی لگا کر
صبح سویرے بیٹھ جاتا ہوں،
مجھے اندر کی عورت نہیں بھاتی
اس کوفت سے بچنے کے لیے
مجھے بہت سی کوفتیں اٹھانی ہوتی ہیں،
کچرے والا آتا ہے،
دھوبی آتا ہے، سپارے اور جنتریاں
بیچنے والوں کے لیے گیٹ کو کھولنا پڑتا ہے
کچھ لمحات، پرمسرت ہوتے ہیں،
جھاڑو لگانے والی، سینے پر دوپٹہ نہیں رکھتی
میاں جی کو ملنے کے بعد اندر جاتے ہوئے،
اپنا دوپٹہ اسطرح لپیٹتی ہے جیسے وہ
مسجد میں درس کے لئے حاضر ہوئی ہو،
سب سے اچھی وہ سیل گرلز ہیں جو
امپورٹند انڈرگارمنٹس اور میک اپ
کا سامان بیچتی ہیں،
مجھے جنتریوں سے ازحد رغبت ہے
اسے انڈگارمنٹس پسند ہیں،
ہم دونوں نے ایک دوسرے کی
چیزوں کی طرف
کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا،
انڈرگارمنٹس والی لڑکیاں، تاہم
تازہ ہوتی ہیں۔

مفروضہ

رہتی دنیا سے لوگ محبت کرتے آئے ہیں
میں نے بھی تین چار بار محبت کی تھی،
محبت کی بہت سی کہانیاں پڑھی ہیں،
عجیب بات ہے میں نے ایسی کئی من گھڑت،
محبتوں کی لازوال داستانیں لکھی ہیں،
مجھے پتہ نہیں محبت اپنے وجود میں کیسی ہوتی ہے
وہ کس طرح سفر کرتی ہوئی آدمی کے
اندر اتر جاتی ہے
اس کا لمس، اس کا ذائقہ، اس کی روح سے
سبھی محبت کے جغادری آج تک بے بہرہ ہیں
سب کہتے ہیں کہ انہوں نے محبت کی ہے
لیکن انہوں نے کبھی محبت سے باتیں نہیں کیں
اس کا رنگ نہیں دیکھا، اسے
چلتے پھرتے اور اٹکھیلیاں کرتے نہیں پایا
پتہ نہیں یہ کس سوچ کا نام ہے یا کوئی
مبہم اشارہ ہے، اس کی تخلیق
کس طرح ہوئی اور اس کا حقیقی نام کیا ہے،
آدمی تو جی کر مر جاتا ہے مگر یہ پھر بھی
زندہ رہتی ہے،
جھرجھری لاتی ہے، آنسو رلاتی ہے،
دل بٹھاتی ہے
تیز دھڑکنوں میں بیٹھ جاتی ہے،
ماتھے پر پسینہ اور چہروں پر
خوف مل دیتی ہے، لیکن
اس کا کوئی وجود نہیں،
جس چیز کی کوئی تجسم نہیں، وہ کہیں
ہوتی بھی ہے یا یہ محض مفروضہ ہے

خوشبو کی تہہ

بوسیدہ رسیوں پر چلنا ہمارا پیشہ ہے
ہمارا قومی شعار ہے عین فریضہ ہے
اس بستی میں ایک ایک لفظ کے،
سو سو معنی ہیں، ان کہی کہانیاں
آنے والی کہانیوں کی جھلکیاں ہیں،
یہاں برہنہ شاخیں،
موسم کے تماشے ہیں
راہزنوں کی بلائیں ہیں،
ادھورے قافلے ہیں
حیرتوں سے جڑی خود کشیاں،
سرکشی کے جال میں الجھی ہیں،
آنکھ کی روشنیاں، مری پڑی ہیں
عہد کو قلم بند کرنے کے لئے،
دریاؤں کی طغیانی
سات سے زیادہ در کھول دیتی ہے،
بیک گراؤنڈ میں سات سروں کے
سواگت ہیں طلسم کے ہوشربا
درختوں پر کوئی بخت نہیں اترتا
نگاہیں پروں کی طرح
ٹوٹ ٹوٹ کر گرتی ہیں،
پورے آسمان سے نکلنے کی
ایک بھی کھڑکی نہیں
میرا شعور سیاہ رات کے،
گھپ اندھیرے میں جکڑا ہے
ہجرتوں کے موسم
اس کی بے خبری تک دارز ہیں
دبے پاؤں گزرنے کی
کوئی آہٹ نہیں ہوتی،
اچھا ہے کہ ہم پتوں کو کاٹ لیں،
یہ خوشیوں کی تہہ میں مرجاتے ہیں

شہزادہ

یہ کیسا دشت ہے جس پر
مالک کا قبضہ ہے اور یہاں
کوئی ذی روح نہیں

میں یہاں اپنی خوشی سے نہیں آیا
میرا گھوڑا بدک گیا تھا
ممکن ہے اس سکوت کو توڑنے پر
مجھے قرار واقعی سزا دیا جائے
مگر اندھیرے میں ڈوبی جھیل پر بھلا
خاموشی توڑنے کا عمل خطا کہلائے گا؟

ہوا جو سائیں سائیں کرتی ہے اس پر
کوئی دفعہ نہیں لگائی گئی،
میرا گھوڑا تو تھکا ہوا ہے، یہ ہوا تو
تھکی ہوئی نہیں ہے
برف کی وادی کا مالک، شائد کوئی
برفیلی روح ہے،
ایک بدھ کے تصوراتی ہیولے
کا بھائی لگتا ہے۔

یہاں توانائی میں
کوئی شان نظر نہیں آتی
دوشیزائیں بھی محو رقص نہیں،
خاموشیوں کا شہزادہ،
برف کی کچھ قاشیں اڑاتا پھرتا ہے،
اگر میں یہاں بھولا بھٹکا آ ہی گیا ہوں تو،
اسے مجھ سے مل لینا چاہیے۔

طلسمات کے ان گنت فریب لایا ہوں
میرے پاس جادو کی ٹہنی ہے، جس سے میں
کوئی بھی منظر تخلیق کر سکتا ہوں،

جادو کی ٹہنی

میرے گھوڑے کے سموں کی دھمک
شہر کی گلیوں میں پھیل رہی ہے،
یہاں کی کچی مٹی، پکے فرش سے زیادہ
کھنکتی ہے، شور کرتی ہے
تھوڑی دور ایک روشن محل
میرا انتظار کرتا ہے،
مالنیں، ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لئے
ٹھہری ہیں،
مجھ پر ڈورے ڈالنے ہی والی ہیں
ہار ڈالتے سے، میرے گال چھونے والی ہیں
منزل کے قریب اترتے ہوئے
دھوپ کو آسمان نگل جائے گا
میری تشنگی، آرزوؤں کے نخلستان میں
دل کا موسم بدل دے گی
بنجر آنکھیں زندہ ہو اٹھیں گی
خوشبو اور زلف کا ملن جاگ پڑے گا
روپ کا چشمہ میری پہلی
ایڑی کے پڑتے ہی، ابلنے لگے گا
میں اپنے ساتھ، ایفائے محبت کے لیے

وفادار

کتا اگر روٹی میں سوراخ کر کے دیکھے گا
تو جھولنے میں لیٹے آدمی کو
اپنے سے زیادہ وفادار پائے گا
وہ تو وفا اور ایثار کا پیکر ہے،
عظمت عقل سے مالا مال ہے،
اپنا خدا خود بنا سکتا ہے،
اپنے شجر تخلیق کرکے، ان کے ساتھ
ہم رقص ہو سکتا ہے
وہ ہوا پر تیر سکتا ہے سمندروں پر
چل سکتا ہے
دروازوں، کھڑکیوں والے
مکان بنا سکتا ہے
نادیدہ زمانوں کی خبر لا سکتا ہے،
وہ زمین پر سنہری دریا لکھ سکتا ہے،
آنے والے زمانوں کے
خواب پال سکتا ہے
کسی گرداب پر قابو پا سکتا ہے،
اندوہ و غم کی صلیبیں، سینے پر باندھ کر
صدیوں کا سفر کر سکتا ہے

وہ گئے زمانوں اور آنے
والے وقت کو چھو کر
ان کی کہانیاں تراش سکتا ہے،
اس کو وفاداری کی سرشت عطا کی گئی ہے
وہ روپ کا دریا ہے طلسمات کا ساگر ہے
اس کی زندگی میں کئی ماہتاب دمکتے ہیں،
وہ اپنی بدگمانیوں کو خوش گمانیوں میں
بدل سکتا ہے
وہ ذروں کو یکجا کر کے،
محاذات تعمیر کر سکتا ہے،
ان کو توڑ کر سارے
جہاں میں آگ لگا سکتا ہے
وہ غلیظ پانی کے چھینٹوں کی پوجا کر سکتا ہے
سارے شیطان اکھٹے ہو کر اس کی عقل اور
وفاداری کا
مقابلہ نہیں کر سکتے
اسے آنے والے زمانوں کی خبر ہے،
انکشاف کے راستے اس پر کھلتے رہتے ہیں،
وہ آئینے کے اوپر بیٹھ کر
عکس تعمیر کرتا ہے اندھیرے کا جگر چیر دیتا ہے،
چڑیوں کی چوں چوں سے بھی مزا پا سکتا ہے،

برف کی قاشیں......

پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سے اپنی محبت کو
پیغام بھیج سکتا ہے
لاکھوں منظر ایسے ہیں،
جن پر دہ نظر بھی نہیں کرتا
ممکن ہے پاگل ہو، یا مالک کے دھیان میں گم
روٹی مگر ہماری دونوں کی سرشت ہے،
لیکن اسے روٹی کے ساتھ،
کتنی آزادیاں میسر ہیں،
میں اس کے پیچھے بھاگتا ہوں اور وہ
ہیولوں کے پیچھے بھاگتا ہے، پھر بھی
وہ زیادہ وفادار ہے

درخواست

معصوم لڑکیاں،
نرگسی آنکھوں میں،
اداس گلیاں اوڑھ کر
سوگئی ہیں،
لُو اُمڈ رہی ہے
نیند میں ان کی
روح باوضو ہے،
درختوں پر لکھے،
صحیفے آویزاں ہیں،
انبیائیں، سبق پڑھا رہی ہیں،
خدا کے گنبد، چمنیوں میں
روشنی بھر رہے ہیں،
پار کا وہ جنگل، جہاں
خدا رہتا ہے، ارتقا کی
دھواں دھار ملوں کو صاف کر کے
آفاق کو پر سکون اور صاف بناتا ہے
اس نے موسموں کی تمازت سے کئی چہرے
جھلسا دیئے ہیں، کہ اذانیں بھی
ان میں خوشبو جاری کرنے سے عاجز تھیں

برف کی قاشیں......

ان کی جوانی کی زنجیریں،
لذت کے رخ لیے پھرتی تھیں
ان کیاڑ انیں لکھنے کو صحیفے
کم پڑ گئے تھے،
سوئی ہوئی لڑکیوں کے پاس
کوئی کیلنڈر نہیں، دنوں کا حساب نہیں،
اپنے اندر والے شعور سے،
شائد آنے والے دن کے لیے
کچھ شور جمع کر رہی ہیں، وہ
کچھ بولتی نہیں نہ ہی تصویر بنا سکتی ہے،
ان کے تکیوں کے پاس
ان کی مائیں ان کے ماتھے چوم رہی ہیں،
وہ اپنی کنواری چمک لے کر وہ ساری
کہانیاں جوان کی نس نس سے
باہر ٹپکتی تھیں،
ان کی تعلیمی اسناد ہیں شامل نہیں
انہیں سڑکوں پر چلتی پوجنے والی آنکھیں
یاد نہیں، انہوں نے تو بس
خدا کو اپنے غم مختصر کرنے کی درخواست
پوسٹ کی تھی جس
پر اوپری منزل میں
ہنگامی حالت کا نفاذ کر دیا گیا تھا
ان لفافوں پر ایک ہفتہ پہلے کی
مہریں تھیں جن کی سیاسی
ان کی چھوٹی چھاتیوں پر لگی تھیں
انہیں چاہیے کہ وہ
بستروں سے اٹھ کر واپس
اپنی تصویروں میں چلی جائیں
بے کیف جہان میں دل لگائیں۔

ٹوٹتی خواہشیں

میں نظر آنے والے نوحے کو
کندھوں پر اٹھا کر، ایک سعئی ناکام کے لئے
چل پڑا ہوں،
میرا بدن خون سے خالی ہے، نقاہت نے
آخری لمحوں کی طرح آن گھرا ہے،
چہرہ ہاتھ میں لئے، رحم کی درخواست،
ماتھے پر لگائے
ہاتھ باندھ کر، تنگ تنگ سانسوں سے
نکل پڑا ہوں
ہوسکتا ہے، میں ایک آدھ گھونٹ تڑپتے
ننھے دوستوں کے لئے لاسکوں،
کئی دنوں، سے ہم اپنی پشت کے داغ،
خار کے گھڑے سے چھپائے، حیران ہونٹوں اور
گنگ زبانوں سے، پھوٹتی، ڈوبی، ٹوٹتی
خواہش لے کر، نکل پڑتے ہیں،
ہمارے پاؤں کے چکر ہمیں
صحرا سے صحرا کے اندر
گھما کر واپس لے آتے ہیں۔
ایک چکر کا سرمایہ، تین چار زخموں سے
بڑھا دیا جاتا ہے
چار سو ریت ہے کہیں شجر اور کنواں نہیں،،
راکھ اڑتی ہے، اندھا کرتی ہے
گرنے پڑنے پر مجبور کرتی ہے۔
اس ناخالص زندگی کا ہمیں کوئی شوق نہیں
ہم تو نکلے ہی، اس آرزو کے ساتھ تھے،
لیکن ہمارے ساتھ کچھ ایسے بھی ہیں جن کو
قربانی، جہاد اور حق کے معنی بھی
پوری طرح معلوم نہیں
ان کی ہر سانس، اپنی ہی سانس میں
پیوست ہوتی جاتی ہے،
لُو کے تھپیڑوں سے ان کے تن چٹختے ہیں،،
ان کے جسموں میں دراڑیں پڑتی ہیں
اے مالک ایک برتن، ایک مشکیزے کے
بھرنے کی
یہ سزا کس نے لکھی ہے؟
کون اس کا جواب دے گا۔ مالک
اگر میں ہلال ہوں تب بھی اور
اگر میں بلال ہوں تب بھی،
مجھے اس کے پیچھے چلنے دے

بند کلی

تو میرے بیلے کی لب بند کلی ہے
تیری جوتیاں تاروں سے بڑھ کر ہیں،
تیرے فکر میں،
میں رفقائے قدیم سے بیزار ہو چکا ہوں،
اپنی پرانی محبتوں کو فراموش کر چکا ہوں
پھر بھی مرا دل رقیق ہے،
میری فطرت صلح جو ہے،
جب یاس مجھ پر گھیرا تنگ کرتا ہے
میں تھک ہار کر تدبیروں کو
پکارتا ہوں
رُبّۂ افلاک کو ڈھونڈتا ہوں
میرے دل میں
پرُشورش و ہول آور
طوفان پھریرے لیتے ہیں،
پیکار کی ٹھنتی آواز میں،
بدمست اڑتی پھرتی ہیں،
پھنکار کی موجوں کو دامن گیر کیے،
اندیشۂ غرقابی تان دیتا ہے
میں ان سارے ملاحوں کو
ان کے اسباب سمیت
سمندر میں پھینک دینا چاہتا ہوں
یا پھر انہیں خستہ و لرزہ بر اندام
سفینوں کی مانند
خشکی پر چڑھانے کی آرزو در
ریت پر لکھتا ہوں،

ساتھی کنواریاں

میری دوشیزگی، مجھے چھوڑ کر
کہیں چھپ گئی ہے،
میرے دل کا نگر،
اس لوٹ سے ویران ہو چکا،
ڈھل چکا،
رات تڑکے میں بدل گئی،
اب ملاقات کا امکان مر گیا ہے
میرا ذہن پراگندہ، دل
گرفتار شش و پنج ہے
طواف بند ہوا
اطلس چرخ کو چھونا
اب منع ہے،
میں یہاں ایک برگد کے پیچھے
چھپی بیٹھی ہوں،
جب میں لمس پی رہی تھی، میری آنکھوں
میں نشہ جھونک رہا
راہ چلتا ہوا کوئی، میرے بدن پر
آب حیوان مل گیا،
اب سب ساتھ کی ساری عورتوں کے لیے
اچانک گونگی بہری بن گئی ہوں
میری روح حیران اور سُن ہے
اوسان خطا، حواس باختہ ہیں،
میری ساتھی کنواریاں
ایک ہی جھپاکے میں،
گم ہونے والی ہیں،

غنائی جسم

میرا دل ایک آتش کدہ ہے،
جس کی جراحت کا اندمال
زندہ عشق یا پھر شعلہ تابندہ سے
کیا جا سکتا ہے
وہ فوق البشر، اقابل پرستش
ادبی وفنی خزانوں کا کلام تھی،
ٹاؤن ہال کے شراب خانے میں،
ساقی گیری کے کام پر مامور، رقاصہ تھی
سیاہ فام، کوتاہ قد، بلبل، جس کے
جسم پر بدنما بال اُگے ہوئے تھے، لیکن
ایک عمدہ رقاصہ کے لیے
سبک اور مختصر ہونا، اشد ضروری ہوتا ہے
میں وہاں بیس تاروں والا بربط
بجانے جاتا تھا،
یروشلم کی بیٹیاں آگاہ رہیں،
عورتیں سیاہ فام بھی خوبصورت ہوتی ہیں
جو بربط ورقص سے جڑ کر
قیدار کے خیموں اور سلیمان کے پردوں سے
تیرتی نکلتی ہیں

تم جس کی شدت سے مذمت کرتے ہو
اسی گلابی چشم نے تعلقات کی
چادر میں مجھ سے تعلقات بڑھائے تھے
میں اس کے غنائی جسم ورقص کو یاد کرتا ہوں

میل کچیل

بھاری کولھوں پر توازن کرتی
لڑھکتی عورت، مکالمہ کرنا چاہتی ہے
مگر گونگی ہے
اندیشوں کے بھنور، کسی قسم کے
منفی خیالات میں لٹکے
طیش کے بلبوں کو پھاڑتے جاتے ہیں
بھوک کی کشتی میں،
پیٹ بھر ٹھونسنے کا خیال
عربی گھوڑے کو
سرپٹ بھگانے پر آمادہ ہے
ہیومن ریسورس کی اُس منیجر نے دیکھا کہ
اس کی ذاتی فائل صفر ہو چکی تھی
پنجرے میں بند شیرنی، اعمال کی
جانچ پڑتال میں گم ہے،
ہراساں کوا پر پھیلائے، کمروں میں
ادھر ادھر چکراتا پھرتا ہے،
پیاسی ادھڑی سرکشی نے باہر نکلتے ہی
ریموٹ سے
گاڑی کا دروازہ کھولا،
ساتھ سے گذرتے پہلے آدمی سے کہا،
مجھے ایک دوست کی ضرورت ہے
میں اپنے اندر کی میل کچیل کو
دو بوندوں سے دھونا چاہتی ہوں،
"خوشی کا یہ نسخہ مجھے آج ہی ملا ہے

پرانی چڑیاں

ساجد کی بیوی کے آتے ہی
باورچی نے لکڑی کی بڑی گانٹھ
دیگ کے نیچے دھکیل دی،
اس کی آمد نے میری آتش شوق کو
اس سے دوگنا بھڑکا دیا،
لوگوں نے دیکھا کہ آگ اب واقعی
بھڑک اٹھی تھی،
مجھے دیکھیں تو لگتا تھا کہ میں
رقص میں ہوں
میری آنکھیں، دہکتا شعلہ تھیں،
برسوں کی تمنا نے مجھے سوختہ کئے رکھا
لکڑیاں تڑختی جاتی تھیں،
سیٹیاں بجا کرتیں
اچانک میری ٹہنیوں پر
آشیانے بنانے والی فاختاؤں اور
چڑیوں نے
آنے والے زمانوں سے
مایوس ہو کر اپنے
ٹھکانے بدل لیے تھے،
لوگ کہنے لگے تھے کہ یہ تو
وہ درخت ہے جو
سڑک کے بیچ میں آتا ہے،
اس کو کاٹ ڈالنا ہی مناسب ہے چنانچہ
تین چار عاشقوں نے مل کر مجھے
کاٹ ڈالا،
پرانی چڑیاں کبھی کبھار دانہ دنکا چننے
ادھر آنکلتی ہیں
مگر یہ اب مجھے نہیں پہچانتیں
اس نے پوچھا کھانا ابھی تیار نہیں ہوا،
باورچی بولا۔ لکڑی کم پڑ گئی تھی،
میں نے ابھی
یہ ساتھ والا درخت جھونکا ہے

دلبستگی

میری دل بستگی، بالکل معصوم اور
یونانی مذہب کے عین مطابق ہے
لیکن سوئے اتفاق
میں نے ایسی روایتوں کی داغ بیل ڈالی
جن سے دوشیزاؤں کے دامن کو
داغدار بنانے اور دکھانے کی
کوشش کی جاتی ہے،

میرے عمل سے لوگوں نے عیش پرستیوں کی
لذیذ اور رنگیں داستانیں اخذ کی ہیں،
دیویوں نے ان کہانیوں سے
میری عزت افزائی کی اور میرے
ہنر کو اور سراہا اور بڑھایا

اب گلابی بازؤں والی،
ادب کے مہکتے گیسوؤں سے
عروسان جمال کرتی ہیں، صفحہ ہستی سے
غم مٹاتی ہیں، میری لوک کہانیوں کے ساتھ
شہیدوں جیسا حیات ابدی کا

رشتہ استوار کرتی ہیں،
رجال کرام میرے لفظوں کو معتبر جانتے ہیں
میرے قصوں کو سمن اندام کبوتر کھینچتے ہیں
ایتھر میں ڈوبے نظارے تان کر
صدیوں کا سفر، پلوں میں تمام کرتے ہیں
خانہ خراب دلوں میں میری دھوم مچی ہے
ہر مغرور حسینہ، شیشے میں پوری اتری ہے
وہ میرے لہجے کی مرکیوں کا ذکر کرتی ہیں
ان میں شہد ہے، حلاوٹ ہے
آنکھوں میں ناچتی ہنسی ہے،
سینوں میں ولولے ہیں، سرمئی لہریں ہیں
کانوں کے آویزوں کو ہلارے دیتی ہیں
ان کا پنڈا، اندر کے درد سے دمکتا ہے،
جوڑ جوڑ سے عرق بن کر ٹپکتا ہے،

وحشت ناک تھپڑوں نے آن گھیرا ہے
س کے پیڑ بلوط سے مقابلہ کرتے
ایک ہی پل میں زمین بوس ہوئے،
میری جان کی نرمل کونپلوں کو روند ڈالا ہے
سخن نوک زبان پر آن کر مر جاتے ہیں
ہونٹ خشک ہیں، اظہار کی جرات مر گئی

منظر

دروازے کھل گئے،
ہوا کی آمد ورفت کی اجازت دیدی گئی
ترنگ کاغذوں میں اتر گئی ہے
طمانیت سے جلتی دلکشی، دکھائی دیتی ہے
دھند کے مرغولے اڑنے لگے ہیں،
مشاہدے کی صفت، زندہ ہو کر
حاضر ناظر ہو گئی ہے،
ایک یا دو نسل پہلے کی خواتین
عمر کے اس حصے میں ہیں جہاں
وہ ہر چیز سے غنی ہو جاتی ہیں
ایک نادیدہ جہاں
ایک دنیائے موعود،
حقیقی اور ٹھوس نظر آنے لگی ہے،
اس جہاں پر تکیہ کرنے والے
ایک نامعلوم مدت کے لیے،
زندہ رہنا چاہتے ہیں،
معمر شہریوں کی مصروفیات
حد درجہ زیادہ ہو چکی ہیں
ان سے نمٹنے کے لیے انہیں
ادویات ومقویات باقاعدگی سے استعمال
کرنا پڑتی ہیں۔
پیڑھے چینوٹی صنعت کا نمونہ ہیں،
میری سہیلی کا سر، کپاس کا کھیت اور چہرہ
سلوٹوں کا ڈھیر بن چکا ہے،
اس کے کانپتے ہاتھ، بے شمار برتن توڑ چکے ہیں
اس کی انگلیاں عجیب طرح اکڑی ہیں،
ان میں انہونا ارتعاش ہے
اینٹھتی ٹانگوں کو زور سے پکڑو، اس کا سر
سیدھا رکھو، جیسے مرغی ذبح کرتے ہیں،
ویسے مجھے معلوم نہیں شہ رگ کسے کہتے ہیں،
میرا خیال ہے، میں دنیا بھر کے ناکارہ
مفت خوروں اور بیماروں کو جمع کرنے میں
ماہر ہوں، کیونکہ میرے ذہن ہیں،
ایسے ہی ناکارہ، معطل اور مجہول زندگی
بسر کرنے کی خواہش مندوں کی بھیڑ
اکٹھا کرنے کی خواہش چھپی ہے،
وہ بمشکل پاؤں گھسیٹتی، جب گیٹ سے باہر
نکل جائے گی تو میں، کشادگی سے سانس
لے سکوں گا، دروازے، کھڑکیاں، سب
کھول دوں گا، منظر بدل جائے گا

گانٹھ

میرے ذہن میں، ایک نوزائیدہ شہر کی
طلسماتی تصویر ہے،
مختصر، سجا سجایا،
مگر مغالطوں کی کوئی سرحد نہیں ہوتی
خیال کی باڑھ باندھنا ممکن نہیں ہوتا
ٹخنوں سے بلند پتلون اور دیمک زدہ ٹائی کو
ادھڑے ہوئے جوتے پر، ستا خضاب لگے
پتھر جیسے سر کے نیچے
نکلی ہوئی توند، دیکھنے والے کا
تمسخر اڑاتی ہے،
کرخت آدمی کی آواز بھاری اور
دبدبے والی ہے، وہ کھاجانے والی
نظروں سے گھورتا ہے
کرتے کے ایک کونے پر گانٹھ لگائے عورت
مضحکہ خیز نہیں محض خوفزدہ سی تھی
اس نے قہقہہ لگاتے آدمی کو مڑ کر دیکھا پھر
ہراساں ہو کر سمٹ گئی،
رات اس پر ہمیشہ بھاری ہوتی ہے،
وہ ساری رات کروٹیں بدلتا ہے،
بے چینی میں اٹھ کر ٹہلتا ہے
بڑھاپے کی عمر میں اس کی شادی
انجانے میں اس سے ہوگئی تھی
اس کے اچھے گریڈ میں بڑی کشش تھی
میں نے اپنے روکھے پن کو جھٹکنے کی
بہت کوشش کی
مگر میں اس گالی کا کیا کرتا جو میرے
کانوں میں
اٹک کر رہ گئی تھا،
بوندا باندی ہوری تھی، گیٹ کھلا تھا
میں تیز تیز پتھر سر والے کے پیچھے
اس کے گھر میں داخل ہو گیا،
ایک عجیب سی بو نہیں پھیلی تھی،
پلنگ کے ایک کونے میں ایک نیم مردہ
جسم پڑا تھا جس کے کرتے کی گانٹھ
کھلی تھی

پرانی باتیں

یادیں قطار باندھ کر بیٹھ گئی ہیں،
یہ خود بھی نشے میں دھت ہیں،
وقفے وقفے سے پرانی باتیں کرتی ہیں،
پھر سوچ میں ڈوب جاتی ہیں

تم کوئی سوال نہ پوچھو اپنی بات کو جاری رکھو
وہ باہر جانے پر رضامند تو ہے مگر
بجھی بجھی سی لگتی ہے
شائد ڈپریشن کا شکار ہے
پارک کا وہ گوشہ، اس کی گھٹن اور اداسی
جاننے کی وجہ سے متجسس ہے، اسکے
ذہن پر کوئی بوجھ نہ ڈالو

کمرے کا رویہ بڑا پراسرار ہے، بیڈروم والا
ملک سے باہر گیا ہوا ہے۔
میں چٹخنی چڑھا کر اسے جتنی تسلی دیتا ہوں،
وہ زیادہ بکھر جاتی ہے
میں اسے سنبھلنے کا موقعہ دینا نہیں چاہتا،
مجھے پتہ ہے، وہ حاملہ ہے، میری مدد
چاہتی ہے وہ کہتی ہے، مجھے طلاق ہو جائے گی،
گھرانے کی عزت
خاک میں مل جائے گی
جو کچھ کرنا ہے، تمہی نے کرنا ہے،

سوچیں ابھرتی ہیں، خود ہی اپنے خوابوں میں
ڈوب جاتی ہیں۔
باتیں آتی ہیں، بلا منزل، گرتی جاتی ہیں،
چالاکیوں اور منصوبہ بندیوں کے لئے
بہت تھوڑا وقت آن بچا ہے
میں کہتا ہوں، میں تمہیں ساری عمر
بت بنا کر پوج نہیں سکتا
گوشت پوست کے انسان کو
گوشت کی ضرورت پڑتی رہتی ہے،
کاریڈو کی بلیوں نے رونا شروع کر دیا ہے
چڑیوں کا شور بڑھنا شروع ہو گیا ہے
اب ہم ہسپتال جانے والے ہیں،
وہ کہتے ہیں، تیر کمان سے نکل چکا ہے،
خطرہ اپنے آخری نشان تک آن پہنچا ہے،
رسک تو لینا ہی تھا،
ڈاکٹر اپنی جان پر کھیل گئی

برف کی قاشیں......

اس نے ہمیں اخبار میں لپٹی
ایک ادھوری بچی یہ کہہ کر ایک جار میں ڈال کر
پکڑا دی تھی، اسے ڈسپوز آف کر دینا
ہم نے ہسپتال سے رخصت ہوتے اسے
پچھلی سیٹ پر رکھ دیا تھا
کیا کریں، یاد کے چھوٹے سے فریم میں لگی
تصور میں یہ تصویر، وقفے وقفے سے
پرانی باتیں کرتی ہے، پھر
سوچ میں ڈوب جاتی ہے

رخت سفر

اس لڑکی پر لعنت بھیج دینی چاہیئے جو
اظہار محبت تو آپ سے کرتی ہے لیکن
شادی ڈاکٹر کے ساتھ کرنا چاہتی ہے،
ریٹائرڈ کپتان کی وردی سنبھال کر رکھ لینی
چاہیے
پوتے پوتیوں کو امپرس کرنے کام آئے گی.
کئی سالوں سے کونے میں پڑی،
پھٹی جرابوں کو
موسمی ہاتھیوں، گھوڑوں سمیت
ٹرک میں بند کر کے تالا ڈال دینا چاہیے
برسات کے موسم میں مینڈک
عام سائز سے بڑے ہوتے ہیں۔
تالابوں میں نہاتے ہوئے ان سے
دوستی کام آئے گی
کمرے کے پردوں پر لگے جالوں کو
کتابیں مار مار کر
گرا دینا چاہیے،
ایک ہی صفحے پر ایک سال سے الٹی کتاب کو
پڑھے بغیر اٹھا کر آئندہ کے لیے رکھ دینا چاہیئے

برف کی قاشیں......

کمرے میں جمع خالی بوتلیں اور
کھوکھے والے کے چائے کے کپ
اٹھا کر باہر پھینکنے کی بجائے، اگلے ماہ
صفائی کے لیے
آنے والی، مائی کے لیے
ایک کونے میں ڈھیر کردینا چاہیے
بستر باندھنے والی رسی کی ضرورت پڑے گی
انتہائی مایوسی میں رسیاں بڑے کام آسکتی ہیں
اپنے بستر کی چادر پر پڑی، برسوں کی مٹی کو
جدا کرنے کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیے کہ
مٹی تو وجہ تخلیق ہے، رخت سفر ہے
اور آخری بستر ہے

بزم بوزہ فروش

چاند کا زرد بجرہ،
نیلگوں قلزم میں ڈوب چکا
گریز پا لمحوں میں پاؤں
بھیگی رات سے گیلے ہوئے
تنہا خواب گاہوں میں،
اداس ڈھنگ سے سجے ہیں،
بچے کے تنفس سے ماں کے روئیں
مہکتے ہیں
سرسراتے پتوں سے نیند
چھن چھن کر پلکوں پر ڈھیر ہوئی جاتی ہے
چنے کے پودے، سردریا،
عجب بہاری ہی شان سے دراز ہیں
کھاری پانیوں کے سفینے ڈولتے پھرتے ہیں
ہمکتے نوجوان دوڑ کر باگیں پکڑتے ہیں
کنواری مطربائیں، مقدس راگنیاں
سناتی ہیں صنعت بے مثل ہیں،
نمونہ دل پذیر ہیں، خوشنما ہیں،
زرتار لٹیں ہیں، کاٹ کی مالائیں ہیں
خواب میں زہرائیں بات کرتی ہیں

برف کی قاشیں......

موسم بدل رہا ہے
سنبل کے خودرو پودوں کو
گڈریوں کے پاؤں نے
پائمال کر دیا ہے لہولہو ہو کر، وہ اپنا سر
زمین پر دھرے روتے ہیں،
فاختاؤں کے رنگ اڑے ہیں،
باز و تھک کر گر پڑے ہیں
جانیں بچھوؤں کو جھنکاتی چل رہی ہیں
چنڈول، چوپائے، ایال، واسن
جانیں چھوڑ کر بھاگتے جاتے ہیں
نافرمان، پھن پھیلائے، ہیکل کے
دھواں اگلتے، علاقوں کو کوچ کرتے ہیں،
زخم دامن دار ہیں، ریشہ دوانیوں کی
کمر میں لٹے پٹے، پلکے ہیں،
بیل بوٹے ان سے گرتے جاتے ہیں
موت ایک واژگوں شے ہے
چھاتیاں پیٹو، ملبوس چاک کرو
سنبل مر گیا ہے
اب دیمک اسے چکھے گی، کیڑا
اس کو کھائے گا،
یہ بزم بوزہ فروش ہے

حبس

لوگ اکتائے ہوئے ہیں
انہیں بریز بریچنا،
ایک منافع بخش کاروبار لگتا ہے
لمبے کش لے کر، پروفیسر اپنے کمرے میں
اپنی طالبہ کو گھیرے، ایسی باتیں کرتا ہے جو
کلاس روم میں نہیں ہو سکتیں
پریزنٹیشن والی کرسی اس کی
پشت سے بری طرح چپک گئی ہے
ٹیبل لیمپ کے نیچے پڑے
لیپ ٹاپ کی لیڈ اتر گئی ہے
کینوس پر پڑنے والے عکس میں،
لفظ زوم ہو کر دم توڑ گئے ہیں
آواز کی نامانوس تلخیاں،
امڈی چلی آتی ہیں،
گھسیٹ گھسیٹ کر چیزوں کی ترتیب اور جگہ
بدلنے سے صرف کمر دوہری کی جا سکتی ہے
موم بتی کا شعلہ بھبھک کر بجھ جاتا ہے، اس کا
وسطی حصہ، کثرت آگ سے پتلا ہو گیا ہے
بوٹیاں زیادہ دیر تک گلتی رہیں تو

برف کی قاشیں......

ہڈیوں کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں،
سارا مزا کرکرا کر دیتی ہیں
اس کے ہاتھوں کی ہڈیوں نے بھی
گوشت کا ساتھ چھوڑ دیا ہے
کھڑی گاڑی کو ایکسی لیٹر دینا، گاڑی نہیں چلاتا
سارے کمرے میں خلا گونجتا ہے،
کسی پیش بندی کے بغیر، خود کو
خلا میں جھونکنا، تمہارے ہاتھ میں
تمہاری مری ہوئی ماں کا ہاتھ تھما سکتا ہے
عجلت کس بات کی ہے
تصویر پھسل کر نیچے گر گئی تھی
تمہارا دل کیوں حلق میں اٹکا ہے
ساپنوں کا موسم آ گیا،
حبس تو ہوگا۔

مختص

دردتک ریت پھیلی ہے، کوئی ذی روح نہیں
لگتا ہے یہ جگہ یونہی بے دھیانی میں
چھوڑی دی گئی ہے،
یہاں کا بھگوان کون ہے، کچھ پتہ نہیں
یہ کیسی فضول جگہ ہے،
یہاں کی ہوا کو سانس میں بھرنے والا کوئی نہیں
کوئی ذی روح نہیں جس کی قبر پر
فاتحہ خوانی کی جائے،
کہیں کوئی ڈھانچہ نہیں پڑا، جس سے
آبادی کا سراغ مل سکے،
یہ بالکل کنواری زمین ہے
یہاں کی آگ، قیامت کی آگ کے
مشابہ ہے، لیکن دوزخ کو بھرنے والے
کیا شہروں سے لائے جائیں گے،
کچھ نظر نہ آنے والے کانٹے ضرور ہیں
جو حلق میں اگ آئے ہیں جنہیں
محسوس کیا جا سکتا ہے،
مٹی کا دور دور تک کوئی نشان نہیں
جس سے کوئی آدمی تخلیق کیا جا سکے

برف کی قاشیں......

یہ کیسا ہولناک منظر ہے،
لگتا ہے، یہ پلاٹ اس نے آنے والے
بنی نوع انسان کے لیے مختص کرر کھا ہے،
جب وہ دنیا سے اکتا جائے گا تو یہاں ایک
نئی دنیا تعمیر کرے گا،
آؤ اس کی مدد کرتے ہیں،
یہاں لیٹ جاتے ہیں
ایک نئے جہان کو بسانے میں
اس کی مدد کرتے ہیں
اس جہان کے پہلے آدمی ہونے کا
اعزاز پاتے ہیں

بلیاں

میں بات کر سکتا ہوں، چاند کے بارے میں
گھنٹوں دلائل لا سکتا ہوں کہ ابھی تک
وہاں پانی دریافت نہیں ہوا،
میں بات کر سکتا ہوں، سورج کے بارے میں
اس کی روشنی کے بارے میں جو اربوں سال
کی دوری پر سے لائی جاتی ہے
اس سے ہٹ کر بھی، تمام سائنسی امور پر،
بلّیوں نے شائد آج شراب پی لی ہے
وہ بھی ایف ایس سی کی بنیاد پر
سائنس کی باتیں کرنا چاہتی ہیں لیکن
اردو پڑھاتے پڑھاتے، شاعری نے
ان کے دماغ سے
عقل چھین لی ہے
وہ کوئی بلب تو ایجاد نہیں کر سکتیں
لیکن بتا سکتی ہیں
ایڈیسن کب اور کہاں پیدا ہوا تھا
وہ ہونے والی جدید تحقیق پر
اخباری حوالوں سے
بڑے شدومد سے بحث کر سکتی ہیں

رات جب زیادہ گزر جاتی ہے تو ان کے
شوہر فارغ ہوکر ان کی دھنائی کرتے ہیں،
پھر وہ زور زور سے رو کر کسی
کی مرگ کا اعلان کرتی ہیں
بلّیاں پالتو جانور ہیں، جب چاہیں گود میں
بٹھا سکتے ہیں جب مرضی دھکا دیدیں،
ان کا نان نفقہ مالک پر فرض ہے
اس بلیک میل کے عوض وہ انہیں
کتے کی زندگی بسر کرنے پر
مجبور کر سکتا ہے
ان کی سائنس جہاں سے نکلتی، ہے
واپس دھکیل سکتا ہے

نوکری

وہ ستون کے ساتھ لگ کر کھڑا
اپنی پسندیدہ دوکان سے، بیوی کے لیے
ایک سوٹ خرید رہا تھا بے خیالی میں،
وہ ایک گراسری سٹور میں گھس گیا،
اس نے سوچا کہ چلو بچوں کے لیے
دودھ ہی خرید لے
مگر ڈبے کی ایکسپائری ڈیٹ نے منع کر دیا،
ڈاکٹر نے اسے چلنے کا مشورہ دیا تھا
لیکن سانس پھولنے سے پہلے رک جانا
ضروری تھا
سارے ٹسٹ، ایک آدھ کے سوا درست تھے
وہ اکثر، سینے کے درد کی گولی
گھر بھول جاتا تھا،
اس نے درخواست دے رکھی تھی
چونکہ اب وہ کام کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا،
اس لیئے اس کی جگہ اس کے بیٹے کو
بھرتی کر لیا جائے
کمپنی میں اس کی
درخواست تین مرتبہ کھو چکی تھی،

برف کی قاشیں------

بہت تھوڑے سے سرمائے کے ساتھ
شہر کے کسی پوش علاقے میں کاروبار
کرنا ممکن نہ تھا،
وہ گھوم پھر کر اس دوکان کی تلاش میں تھا
جہاں سے کچھ آمدنی کا ذریعہ بن سکے
اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا
وہ ادھورا، اپاہج ہو سکتا ہے،
سانس درست ہوتے ہی
اسے سامنے والے چوراہے کے ساتھ والا
بس سٹاپ نظر آیا
وہ دونوں ہمیشہ اسی سٹاپ سے
یونیورسٹی کے لیے روانہ ہوتے تھے
کوئی بات نہیں ہوتی تھی،
پھر بھی بہت سی باتیں ہوتی تھیں۔
یوں لگ رہا تھا آج اس خاموشی کی تجدید
یا پھر سالگرہ کا دن ہے،
اس نے رفیق سفر بن کر کتنا عمدہ کام کیا
آج وہ اس کی دلجوئی کے سبب
باقی کی نصف زندگی جی رہا تھا،
اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر،
نوٹ سختی سے پکڑ لیے
سوٹ خریدنے کا اردہ ترک کر دیا
وہ ہمیشہ اپنے بعد، اُسی کی خوا[illegible]
قربانی دیتا آیا تھا،
بچے کی نوکری لگنے سے پہلے ہرگز نہیں

خود کفیل

آئنیہ کہتا ہے، تم بوڑھی ہو چکی ہو،
مجھے ایسے آئینوں سے نفرت ہے
جو جھوٹ بولتے ہیں
تم نے مجھے کبھی سعد لمحوں میں دیکھا ہی نہیں
مشتری، اس وقت اپنے ساتویں
گھر میں ہوتا ہے
ڈرائنگ سکھانے والا ماسٹر،
اکثر ننگی تصویریں بناتا ہے
سارے زمانوں کو ہوس کا زمانہ بتاتا ہے
نظر کو، ہڈیاں چھوڑنے والے
گوشت نے جکڑ رکھا ہے
ڈھلکا بدن کچھ
لوگوں کو زیادہ اچھا لگتا ہے
معتبر دیکھنے والے،
عہد مختصر کو بھول کر،
لباس مختصر کو پسند کرتے ہیں
ہم میامی بیچ پر کھڑے مختصر لباس والی
لڑکیاں تاڑ رہے ہیں،
وہ بھی میرے ساتھ نہانا چاہتی ہے
مگر میرا پیٹ
اس میں مانع ہے
بکنی میں وہ مجھے آگہی کی پراسرار دیوی
دکھائی دیتی ہے
یہ طلسمی مشروب کا شاخسانہ بھی ہو سکتا ہے
میں نے اس کی وجہ سے،
منہ کے دانتوں کو خیر آباد کہہ دیا تھا،
میری طرح
اسے لمحوں میں،
ناگن میں بدل سکتی ہے،
آجکل بقراط، وعلیکم السلام کہتے ہیں،
آسمان سے نیچے اترتے سورج کو
گنہائے پھرتے ہیں
یہ ارتھ مینگ نہیں ہے، میں تمہیں کسی عذاب
میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا
یہ اس وقت کی بات ہے، جب اُس پر
شباب کے بھید نہیں کھلے تھے
وہ کتاب کا حق بخشوا چکی تھی
پھر اس نے آئینے سے پکی دوستی کر لی،
اپنے نین نقش سے باتیں کرنا سیکھ گئی
بیس سال کی عمر سے پہلے آئینے نے

برف کی قاشیں......

اس کی تعلیم مکمل کر دی
اب ایک وسیع تجربہ بھی اس کے ساتھ ہے
اسے عمر کی کوئی فکر نہیں،
وہ اپنی مداح آپ ہے
آئینے میں اپنی ضیاء دیکھ کر
اس کی طلب بڑھ جاتی ہے
وہ ریاض کئے بغیر، بغیر ساز کے
موسیقی پیدا کر سکتی ہے،
خود کفیل ہو گئی ہے

جمہوری مجسمہ

تیز اور بلند بانگ سیاسی کمٹ منٹ
رکھنے والا ایک زندہ حریف،
مجسمے میں تن کر کھڑا ہے،
اس کے ایک ہاتھ میں پستول
دوسرے میں پھول ہیں
اس کی زندگی بارود، اور زبان کے زور پر
جمہوریت کو پروان چڑھاتے گزری ہے
اس کے مجسمے کے عقب میں،
منجمد موسیقی بج رہی ہے،
وہ بت حاضر قومی ورثہ ہے، شہر کا زیور ہے
اپنی زندگی میں اس نے خوبصورت عورتوں
ایک جماعت تخلیق کی تھی،
رونق شہر کو بڑھانے میں اس کا کلیدی کردا
سب کو رسائی کے برابر حقوق دیئے گئے
اس کا ایمان، اقتدار کے
نرم چہرے میں راسخ تھا، اس کی تبلیغ
اس آیت سے جڑی تھی کہ ملک اس وقت
انتہائی نازک دور سے گذر رہا ہے اس لیے
شراب اور موسیقی حلال قرار دیدی گئی ہے

معتبرین، سگار کے مرغولے اڑاتے،
سیاہ و سرمئی سوٹوں میں ملبوس، سرِ شام
اپنے محسن و مربی کا دربار سجانے،
حاضر ہوتے
کومل نسوانی آوازیں، ہر طرف
پھیل جانے کا جتن کرتیں،
آہنی جنگلوں کا سہارا،
روزانہ کی بنیاد پر بدل لیتیں
کتنے شہزادے، اپنے ہاتھوں پر دھری،
ننگی تلواروں کو
شہزادیوں کے حضور پیش کرتے ہوئے
گردن جھکائے کھڑے رہتے،
بھاری وجود، بعض اوقات،
اپنا سارا بوجھ
نازک کندھوں پر گرادیتے،
خصم برداروں کی محفل میں،
ان کے شوہروں نام سے، کسی حسینہ کو
یاد کرنا ممنوع تھا۔
شادی شدہ بھی ایکسپائری ڈیٹ
کھدوائے بغیر مس ہی کہلاتیں
بعض دعویٰ کرتیں کہ ہم کل ہی
خفیہ شادی کر سکتے ہیں
بڑا مجسمہ آنے والے مجسمے کا استاد ہے،
وہ سارے گر، شاگرد کو سکھا کر،
کچھ عرصہ کے لیے
منظر سے ہٹ گیا ہے
کیونکہ ہمارے ہاں کی یہ
آئینی روایت ہے
جمہوریت پسند شاگرد نصب
ہونے ہی والا ہے

اجازت نامہ

شیطان میرا بڑا بھائی ہے،
میری پیدائش سے چند لمحے پہلے، اسکا جنم ہوا،
ان چند لمحوں کی اجارہ داری،
مجھ پر آجتک قائم ہے
وہ میرا غمگسار، دوست اور سب سے اچھا
اتالیق ہے
اس کے پاس، ہر مشکل کا توڑ اور
بغاوت کا جواز ہے
اس کی کمپنی کے بغیر، مجھے سب کچھ
ادھورا لگتا ہے،
وہ میرا گائیڈ ہے، اُس نے مجھے بتایا کہ
میں کس طرح
لوگوں کی نظر سے بچ کر، سڑک پر
پیشاب کرسکتا ہوں
وہ بستر پر بھی میرے ساتھ ہوتا ہے،
اپنی ذہانت سے
ہم بستری کے نت نئے طریقے سکھاتا ہے
دوستوں کی محفل میں شگفتہ وشائستہ گفتگو سے
میرا وقار بڑھاتا ہے

دفتر میں، مجھے ایسے الفاظ کا چناؤ سکھاتا
جس سے میری ترقی کی راہیں کھل جاتی
لڑکیوں میں بیٹھ کر چلبلے لطیفے اور
ہاتھ کی لکیروں کے
بارے میں فتوے صادر کرتا ہے،
چھوٹے بھائی کی
جائیداد پر قبضہ کرنے کے گُر بتاتا ہے
اس نے مجھے فنکاری سے چوری کرنا
سکھایا ہے بغیر ٹکٹ سفر کرنے کے لیے۔
سفارش کا انتخاب سمجھایا ہے،
اس نے نماز کی حالت میں مجھے گرد و پیش
نظر رکھنے کی تربیت دی ہے،
راہ چلتی عورتوں کے کرتوں کے
اندر جھانکنا سکھایا ہے
دوکانداروں سے خوش اخلاقی سے رعائت
حاصل کرنے کا نسخہ بتایا ہے
ہم ہمیشہ شراب اکٹھے بیٹھ کر پیتے ہیں
میرے حواس باختہ ہونے پر وہ بھی
لڑکھڑاتا ہوا مجھے گھر تک لے آتا ہے
ہم لوگوں کے پلاٹوں پر قبضہ کرنے کے
نت نئے طریقے ایجاد کرتے ہیں،

ف کی قاشیں.......

افسروں اور ناؤتوں سے دوستی رکھتے ہیں،

مالی منفعت پاتے ہیں،

ہم مل کر دنیا کا کوئی بھی کام کر سکتے ہیں،

فائلیں تک بدل سکتے ہیں،

وہ اتنا ذہین ہے کہ اس کے پاس،

ہر الزام سے بچ نکلنے کا طریقہ موجود ہے

مجھ میں ہمیشہ یہ آرزو رہی ہے کہ میں

اس جیسا بن جاؤں

کیونکہ وہ میرا آئیڈیل ہے

مگر کیا کریں، تمام انگلیاں ایک سی نہیں ہوتیں

چھوٹی انگلیوں کو کھینچ کر بڑی کے

برابر نہیں کیا جا سکتا

وہ میرے ساتھ سہی لیکن مجھ سے چند لمحے

پہلے پیدا ہوا تھا

یوں بھی وہ بخشا بخشایا ہوا ہے کیونکہ اسنے

سارے دنیاوی دھندے نمٹانے سے پہلے

اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا،

مجھے یقین ہے میں بھی اپنے پر لگے تمام

الزامات اس کے سر دھر کر،

بچ کر نکل جاؤں گا

نیند کی ماتی

نیند کی ماتی،

پھولوں کا مکٹ، سر پر سجائے

تالاب سے برآمد ہوگئی ہے

دیوتاؤں کی ضیافت ہے

تالیف قلوب کی ساعت میں

اس کا قول ہے لوٹتی رہے گی یقینی

مادر مشفق کی طرح، قیام کرے گی

تیرے بغیر، عیش برباد ہے

جینے میں کچھ نہیں رکھا

تم بھول بھی جاؤ تو میں تم کو

اجاگر کروں گا،

دور رفتہ کی طرح نمایاں زندہ کروں گا

اے رات کی دیوی، تیرے انداز گندھاوٹ پر

دل الست ہوا ہے

تیری گردن پر صراحی کا گمان ہوتا ہے

ایک ہی سانچے میں ڈھلی کنیزیں

خدمت کے طواف کرتی ہیں

تو ملاحت کا نگر ہے

تیرے دونوں، موجود اور بیتے زمانے

برف کی قاشیں------

دلوں میں جادو جگائے رکھتے ہیں،
گئے دنوں کی کہانی سنائے رکھتے ہیں،
تو قمر کے ہالے میں، گلابی ردا اوڑھے
میرے دل کے قلزم پر، کرنوں کی چادر
اوڑھاتی ہے،
گمان کی پگھلی پگڈنڈیوں پر مجھے
دور کہیں، پھلواریوں میں لے جاتی ہے
میرا سونا سنگھاسن، تیری
راہ تکتا رہتا ہے
ہر لمحہ، تذکرہ، تیری گفتگو کا کرتا ہے،
ماہ منور جب دور ہوتا ہے،
گئی رات تیر پیام لے آتا ہے
نیند کی ماتی، میری ماتی کا دوسرا نام ہے

چائے کا ایک کپ

فریم کے زمین پر گرتے ہی،
تصویر کی دبی دبی ہنسی
فرش میں اتر گئی
جو کچھ بھی ہوا، میری ایما کے بغیر ہوا
حکموں کا اطلاق تو ہر صورت ہوتا ہے
ان پر بھی جو کبھی موجود کہلاتی تھیں

تصویر کے گرتے سمے، باریک ہونٹوں او
بادامی آنکھوں میں، ایک التجا کی صورت
نظر آئی جو جتن کرتی ہوئی
اوپر کو اٹھ رہی تھی

ائر کنڈیشنر، بازو پھیلائے کھڑا تھا
وہ جینز پر ایک مختصر قمیض پہنے
دیوار پر لگ کر کھڑا ہو گیا
اسے لگا کہ شائد اسے سردی لگ رہی ہے
وہ الماری سے 'وی' گلے کا سویٹر نکال لائی
اس نے اس سے پہلے، صرف ایکبار پہن
پاگل ہو، اس نے کہا کمرے کے اندر

بر ف کی قاشیں------

سردی کیا ہوگی؛ جب میں
باہر نکلا تھا، تو تیز دھوپ تھی
وہ مافوق الفطرت کرداروں کے بارے میں
کچھ نہیں جانتی تھی، پھر بھی اس نے سوچا
سونے سے پہلے اس کے ساتھ بیٹھ کر
کچھ دیر اور گذارنی چاہیے،
کم از کم ایک کپ چائے ضرور
پی لینا چاہیے۔

DE ELECT

ہمارے دماغوں میں،
چڑیوں کے گھونسلے ہیں،
پھر بھی ہم، سوچتے ہیں،
ان زمانوں کے بارے میں جو ابھی نہیں آئے
ہم فہم وفراست سے عاری لوگ،
ساری زندگی ان پر بھروسہ کئے
موت کے کنویں میں ہاتھ چھوڑ کر،
موٹر سائیکل چلاتے رہتے ہیں
ہمارے آقاؤں کو اپنے سے زیادہ
ہماری فکر کھائے جاتی ہے اور وہ
ہر دم ہماری خوشحالی کے
نت نئے پروگرام اخبار میں نکالتے ہیں،
ہمارے کھانے پینے کی بات کرتے ہیں
جو روکھی سوکھی
دال اور دریا کے پانی پر مشتمل ہے
انہیں ایک ایسا نشہ لگ گیا ہے جو
قیامت تک ان کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں
وہ اونگھتے، جمائیاں لیتے اور سوتے ہوئے
معاشرتی فلاح کے بارے میں بڑھ چڑھ کر

قانون سازی کرتے ہیں
یہ وطن پرست، ہمیں تاریکیوں سے نکال کر
دنیا کی صف میں سب سے آگے
لے آئے ہیں امریکہ، برطانیہ، فرانس
سب کے سب ہماری ترقی سے
پریشان ہیں، ہم سے ڈرتے ہیں۔
سوچنا اگرچہ موزی بلا ہے پھر بھی
میرا مشورہ ہے، اسے اختیار کرلیں،
یہ نشہ آپ کو قبر تک لے جائے گا
گھونسے والے، اپنے ممبران کو DE
ELECT کرنے کا
حق مانگتے ہیں

حکمران

پالنہار دیویوں کی خوشامد کرتے
دینا سے میری طبیعت بھر چکی ہے
میری لکیریں،
کسی کنوارے کے بستر کی
چادر کی طرح الجھی ہیں
ان میں لکھا ہے،
دنیا کے نظارے دلکش بھی ہوں تو
دن کی روشنی چھوڑنی ہوتی ہے
آجکل ایک بیوہ ہمارے گھر میں مقیم ہے،
ہم دونوں کی نظر اس پر ہے
ماں اور بیوی دونوں الگ رشتے ہیں،
کمزور آدمی کو، مرجانے کا
انتظار کرنا چاہیے، کیونکہ
ہمارا باپ ہمیں اور دکھی نہیں کرنا چاہتا
میں کیا کروں، میرے لئے نہ تو شہد ہے
نہ ہی مگس میری منکوحہ ہے
زہریلی مسکراہٹ پھیلی ہے
"بڑبڑاہٹیں، سمجھ میں نہیں آتیں
بندوق پر ہاتھ بدل گیا ہے

ر ف کی قاشیں------

پریوں، ماہی گیروں، چوروں کی کہانیاں
پڑھی جاسکتی ہیں، کھیلی نہیں جاسکتیں
حکمران تو حکمران ہوتا ہے،
خواہ اپنا ہو یا بیگانہ،

تسخیر ولایت

غور کرتا ہوں تو،
تمہاری حرکتیں، شر کے شاخسانے ہیں
میرے عمل کو رومال میں باندھ کر آن دھمکتے
میرے ناموس کا جنازہ نکال دیتے ہیں،
میرے حق میں اچھا ہے کہ میں اپنے خیالوں کی
باگ ڈور سے چھیڑ چھاڑ نہ کروں
مگر میں جوان حوصلہ، فرزند خجستہ
تسخیر ولایت میں مصروف رہتا ہوں،
میرے گرد، ہول آور، پرشورش، طوفان
اڑتے پھرتے ہیں،
جب مجھے غرق ہونے کا اندیشہ
آن گھیرتا ہے تو میں،
سب اسباب اپنے سمیت، سمندر رُد کرتا
سبیل کی جکڑ، مجھے خشکی پر لے جاتی ہے
جاڑوں کے زمانے میں،
غرق نہ بھی ہوں، تب بھی میرا پنڈہ،
پانی سے شرابور ہوتا ہے
نرم صوفے پر میرا بدن دراز ہے
رسمی پلکوں پر اب نیند کی دیوی
اترنے ہی والی ہے

لوہا

لوہار کی بیوی، لوہے کے اس ٹکڑے کو
کاٹ رہی ہے، جسے اس نے
تپا کر، سندان پر رکھا ہے،
ننگے بچے، ننگی گالیاں دیتے
پانی کی گندی نالی میں
مقال چلا رہے ہیں،
بندوق سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے
گلاب کی پنکھڑیوں کی برسات نہیں ہوتی
انقلاب کا نعرہ لگانے والے صرف
اوپر نیچے ہو جائیں گے،
ایک دائرے میں پھرتے رہیں گے
انگلی کی ایک جنبش تمہارا پیٹ
بھر سکتی ہے
حکمران بھائی نے قہقہ لگا کر کہا،
میرا بھائی، باغی تھا، انقلاب دشمنوں کا
یہی حال ہوتا ہے
ہم لکیروں، رسیوں، رشتوں کے قیدی نہیں
انحطاط زر نے رشتوں میں
تفریط پیدا کر دی ہے
گناہ گاروں کا انجام دوزخ ہے، جہاں
آگ برستی ہے،
مجھے اس سُن کر دینے والی سردی سے
نکال کر بھٹی میں ڈال دو
بدن تپانے دو۔

بانس

اے میرے باپ،
میری مدد کر، مجھے زمین میں
سمانے دے یا میری شکل
تبدیل کردے تاکہ بانس بانسری نہ رہے

میرے اعضاء سخت پڑتے جاتے ہیں،
سینہ زرم چھال میں گم ہوگیا ہے،
بارودت میں، پاؤں جڑیں اور
چہرہ درخت کی چوٹی بن گیا ہے

تنے کے جسم میں گوشت کی لرزش ہے،
شاخوں پر بوسوں کی بوچھاڑ کردو
شاخیں، دور ہٹتی ہیں، کسمساتی ہیں
ہونٹوں کی گرمی سے ڈرتی ہیں

میں اپنے بربط اور ترکش کی
تم سے آرائش کرنے والا ہوں،
پیشانیوں پر تمہارے مکٹ سجانے والا ہوں
میں تمہیں اپنے شباب کی طرح
لازوال کردوں گا۔

شکار

چار انچ کی ہیل پہن کر
کالی عورت
لیدر کے ڈارک براؤن، لانگ کوٹ میں
سج کر، مارکیٹ میں نکل آئی ہے
کھلے جوتے پہننے والی لڑکیوں کے
پاؤں ڈھلکے ہوئے ہیں،
ہر طرف سے نگاہیں ان کا تعاقب کرتی ہیں۔
کبوتروں کی قمریوں سے نظر بازی
عین فطری عمل ہے
گھریلو عورتوں کے ستائے لوگ
اس کے سواء کربھی کیا سکتے ہیں،
سربازار، بستر لگانے کی آرزو،
سب میں ہوتی ہے مگر لوگ ڈرتے ہیں،
جنگلی دور میں واپس جانا چاہتے ہیں
تاریک رسائی نے، بے اندازہ، اولاد،
سڑکوں پر چھوڑ دی ہے
انہیں ہمسائیگی یا ہسپتال
میں مرنے والوں سے
کوئی سروکار نہیں

ان کی دلچسپی گرتے بالوں کے علاج یا
شباب آور گولیوں تک محدود ہے
اکتائے ہوئے کتے، شکار کی تلاش میں،
بعض اوقات، ادھیڑ عمر،
مرغیاں بھی لے جاتے ہیں

سانپ

میری سہیلیوں کی رفتار رانیوں کی سی ہے
ان کے انداز، دیویوں کو بھاتے ہیں
میں ان کے پیکرِ حیاء کا قفل
کلید فاجری سے وا کرنا چاہتا ہوں
میں انہیں پرانے جنگل کی پرانی عمارت میں،
لے جانے والا ہوں
میں نے ان کے لیے فانوس بنائے ہیں،
منڈپ آراستہ کیے ہیں،
وہ حیرانی سے، تھر تھر کانپتی ہیں
میں جنازوں کی مشعلیں چرا کر لے آیا ہوں
بے بس دوشیزائیں، اپنے سینوں پر
دوھتڑ مارتی ہیں؛
ان کا کوسنا اور واویلا بند نہیں ہوتا
میں ان کی گردن مروڑ کر، ان کی بانہیں
مضبوط باندھ دوں گا اپنی خون آشام
تلوار سے ان کی زبان کاٹ دوں گا
وہ سانپ کی کٹی دم کی طرح
تڑپ تڑپ کی ٹھنڈی پڑ جائیں گی
میری سہیلیوں کی شکلیں بھیانک ہیں
ان کے سروں پر سانپ کنڈلی مارے بیٹھے ہیں

ماں

زنا بالجبر کا نشانہ بننے والی،
بدنصیب کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں
انتقام کے لئے ظالم کا بیٹا
سب سے بہتر انتخاب ہے،
اس کی ماں، بچے کو ایک دور افتادہ
مقام پر لے گئی،
معصوم بچے کی تکہ بوٹی کر ڈالی،
انتقام ٹھنڈا نہیں ہوا تھا،
اس نے بچے کا گوشت کانسی کے
برتنوں میں پکایا اور کچھ کو
سیخوں پر بھونا،
بیٹی نے حرامکار کو دعوت دی
وہ خوش باش کمال شان بے نیازی سے
اپنا ہی گوشت کھانے لگا،
اس نے سوچا کہ کھانا بہت ہی لذیز ہے
کیوں نہ بیٹے کو اس میں شریک کرے،
باہر جانے لگا تو ماں نے، بچے کے
بالوں سے لٹکی گردن لہرائی اور باپ کے
منہ پر دے ماری،

شیطان تلوار سونت کر بڑھا تو
بیٹی اڑ کر جنگل کو نکل گئی
ماں فاختہ بنی، درخت کی شاخ پر بیٹھی
ہنستی تھی

عارضی گھر

میں اس کے دست حنا مالیدہ کو
بوسہ دیتا ہوں،
وہ اسے ٹھمک ٹھمک کر رجھاتا رہا
یو یہ چال چلتے، زقند بھر کر
مال غنیمت دوشیزہ کو لئے
سمندر کی پنہائیوں میں گم ہوا
تعبیر ناموں میں لکھے گئے، وعدے
ارسطو کی منطق پر پورے نہیں اترے
دل اسکے پیچھے ہو کہ ابد سامنے
کوئی حد نہیں باندھتی
زندگی کو اصل حالت میں دیکھنے کے
آرزومندوں کو حلقہ دام خیال میں لاؤ
شہنشاہ ہند اور شاہ جہاں کے اعداد
برابر ہیں۔
اس سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں
عجیب طرح کے نامانوس اور چمک دار
تصورات، چکا چوند کر دیتے ہیں،
فارم (Form) کہیں سے بھی لی گئی ہو،
نقالی نہیں کہلاتی
واہموں کی ماری ہوئی دنیا میں،
ہم ایک عارضی گھر تعمیر کرتے ہیں، جہاں ان
کسی بات کا جواب نہیں ملتا۔

علاج

تالیوں کی تھاپ پر
بلیاں رقص کرتی ہیں
سی سیکشن کے بعد
لاکھ کی مہریں لگیں تھیں
سلفیورک ایسڈ کی بوتل
اندر والی الماری میں چھپا دی گئی
دانش مند مشقت کے نتیجے کے طور پر
لڑکی کو کنواری بنا دیا گیا،
حافظہ تو پوری فکری دنیا کا محور ہے،
بے دخلی ایک فریب خوردہ سلسلہ تھا
ایک عارضی سوال ہے جو
ایک بلا بن کر، بستی بستی گھوم رہا ہے
کوئی دن آتا ہے کہ ایسی دستکیں
ہر دروازے پر گونجیں گی
خستہ مکان کی عمر کو ہاتھ کی پوروں پر
گننا منع ہے
فرنیچر کے سیاہ حصے پر گہرا غار
پڑ گیا ہے،
جو گھاؤ، بنیاد میں پڑ گیا ہو
اس کا علاج دشوار ہے
دیمک کے ناخنوں سے پڑی دراڑیں
آنے والے زمانوں کا
علاج مانگتی رہیں گی

خوف

بوزنوں کی ناگہاں آمد نے،
زمین میں بھگدڑ مچادی ہے
بے نیاز چپ کے لفظ، باتیں کرتے ہیں،
اجڑی بستیوں میں آسیب نکلے پھرتے ہیں،
ایک تجربہ کردیکھیں
خالی دوکان کی ساری چیزیں بیچ ڈالیں،
نوٹوں کی خوشبو سے ہوا مہکتی ہے
کھلی تجوریاں لمبے لمبے سانس لیتی ہیں
آدھی صدی سے قاتلوں نے کوئی مذہب
کوئی قربان گاہ، قائم نہیں کی
موسم کی حماقت سے، اس بار زیادہ برف گری
چشموں کا خون جم گیا ہے
،سبز جذبوں کی دھوپ کسمساتی گزرتی ہے،
خالی دوکان کے مالک کے گھر، کچھ
خالی برتن پڑے ہیں،
کچھ کچلی ہوئی رشتہ داریاں ہیں،
بالوں کے گچھے ہیں جو ہاتھ پر چسپاں ہیں
اندر کھڑا آدمی، مدد کے لیے
باہر کھڑے 'خود' کو پکارتا ہے
اس کا خوف باہر کیسے نکلے گا

برف کی قاش

میرے گال کالی بارش سے بھیگ چکے تھے
مجھے مناجات کے لئے، ایک دیوی کی
ضرورت تھی
میرے سامنے ایک زلف معتبر تھی جس نے
خواب کی دھوپ کو روک رکھا تھا
مجھے حد افلاک تک پھیلی پوشاک درکار تھی،
جس میں فقط آرام لکھا ہو، مگر
بے مفہوم سفر، سامنے پڑا تھا، جہاں
ساربانوں کی گھنٹیاں بے معنی خلا میں بجتی تھیں
گہری سوچ میں سرایت کرتی آنکھیں
میری کنپٹیوں پر ہلکا سا اجالا مل کر
گریبان میں جھانکتے بالوں کو کاٹ رہی تھیں
آنکھ میں بہتی، برف کی قاش رکھی تھی
جیسے کسی نے توے پر اڑنے کے لیے
چھوڑ دیا تھا
آرزوؤں کے پھٹے جنگل میں، روح دوزخ
لیے پھرتی تھی
زبان سے گرتی سبز فرمائشیں
کھانسی کے بوجھ سے تھوک میں بدل رہی تھیں
شام کا راستہ چیرتی، آخری دھوپ

میرے اضطراب کے جھمیلے میں، مضطرب تھی
میں کھڑکیاں کھول کر، گئے لمحے
تلاش کرتا رہا مگر
نئی ساعتوں میں زہر گھلا تھا،
میں ننگ بدن، گھلتا چلا گیا
آخر بدن کی دھجی نہیں بچی۔

سفر

گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر،
لمبے سفر نے کمرا کڑا دی تھی،
جوتوں کے پردے چاک کرتا ہوا
کوئی شخص، گھر لوٹ آیا تھا،
خاموشی اوڑھ کر چلنے والے آدمی نے
آخر ایک دن تہمت کو چرچا دے ڈالا
لا، پر ٹھہر جانے والا سبق ایک دن
پردے سے نکل کر سامنے آ گیا
شاخ سے ٹوٹے ہوئے پتے نے
ہمیشہ کے لیے
دوبارہ اگ کر شاخ پر پناہ لے لی،
ہر روز نیا قتل کرنے والے شخص نے
ایک دن کسی کی جان بچا کر تاریخ بدل ڈالی،
نت نئی حرکتیں، نت نئے گناہ کرنے والوں کو
طاقت ور اگر چاہے تو سمجھا بھی سکتا ہے
آنے والے وقتوں میں، پاکباز کنواریاں،
لہلاتی گھاس کو پاؤں تلے مسلتی،
کیف میں ڈوبی، چلبلے الھڑپنے کے ساتھ
بربط و مردنگ کی آواز میں،

چٹختے پاؤں پر، تھرکتے انگ لئے
میدے میں شہاب بنی،
انعام بنا کر ان کے قدموں میں
لٹا بھی سکتا ہے۔

رویل اور مہندی

ماں تیس برس سے ایک بوجھ تلے
زندگی بسر کر رہی ہے،
دن رات چار روشنیاں، اس کے
سکھ و آرام کو ڈستی رہی ہیں،
اس کا بدن تھکن سے ٹوٹ چکا ہے،
اس کا دماغ، شل ہے، وہ ایک دن
آک سے نکلی سفید 'مائی' بن کر
ہوا میں اڑ جانا چاہتی ہے
جہانگیر کے مقبرے پر زندگی انتہائی مشکل تھی
جہاں گیا جہانگیر وہیں موئی مٹی اس کی
وہ جانتی ہے، واپسی کے سفر میں،
تھکاوٹ نہیں ہوتی،
راجباہ کے کنارے والی بستی کے ٹیلے پر۔
پیلو کے درخت آج بھی،
چھاؤں کئے کھڑے ہوں گے
کوٹھری میں یقیناً گھپ اندھیرا ہو گا
جو دروازے کے کھلتے ہی اجالے میں بدل
جائے گا
اب وہاں کوئی ایسا ملنے والا نہیں جو اس کے

برف کی قاشیں-------

خشک و بدرنگ بال مٹھیوں میں جکڑے،
اب وہاں مشین کی مزدوری نہیں ہو گی
نہ ہی لید گوبر کے اپلے
اب وہاں وہ ٹوٹی پھوٹی انٹیں بھی نہیں ہیں
جن پر لڑھک لڑھک کر چلنا ہوتا تھا،
اب تو وہاں اینٹوں پر اس طرح چلتے ہیں جیسے
ماہر بازی گر، تنی رسی پر چلتا ہے
بوڑھی نے کمرہ کھول کر دیا ہے
اسے رویل اور مہندی کی خوشبو آئی ہے
وہی خوشبو، جس میں رچی بسی وہ
اس کمرے میں،
پہلی بار آئی تھی
وہ کیل اسے دیکھ کر مسکراتی ہے جہاں
جہانگیر نے اپنا سہرا اتار کر لٹکایا تھا
وہ بیٹھ کر فی الحال پرانی باتوں کو
گھونٹ گھونٹ پی رہی ہے

ملاقاتی

دیارِ غیر سے آئے مہمان کو
مجھے کوئی داستان نہیں سنانی ہے،
اس گھر میں اس کو باندھ کر کون لایا ہے
میں اوروں سے بچی باتیں نہیں کہتا،
میں اپنا دھیان سولی پر لٹکا کر
جلد باہر نکل جانے والا ہوں
میری شریانوں سے پانچ سی سی خون لے کر
دوستوں کی زبانوں میں بھر دو،
رقص میں محو بازو، کہاں، بکڑائی دیتے ہیں
ہوش اڑ جائیں تو کسی کا دوش کیا ہے
تماشا دیکھنا ہے تو سامنے آؤ یہاں کوئی ٹکٹ
نہیں لگا،
پرندوں کا کوچ کرنا، دلکش نظارا ہوتا ہے،
صداقت بانٹنے والوں کو طلب کرو،
ابھی یہ تماشا جاری ہے
اس غار کا رستہ بند دکھائی دیتا ہے،
نور کو خون سے تحریر کرنا پڑے گا،
روشن روایت عام نہیں کی جا سکتی،
معمول کی دھڑکن نہیں تھی جس نے

برف کی قاشیں-------

دیوار توڑ دی

ابہام تسخیر کرنے کے لئے ریاضت کی
ضرورت پڑے گی
مٹی کے حصار تعمیر کرنے کے بعد، انہیں
پکی دیواروں، میں تبدیل کرنے کو،
ایک نگران بلایا گیا تھا، تماشا،
تماشائی نے خودنہیں لگایا تھا،
پاتال میں گم بیٹھے لوگ، خود ہی
دریا پار اتر آئے
موت آتی ہے تو زندگی کا مفہوم
منکشف ہوتا ہے
حیرتیں جاگ پڑی ہیں، وہ خود ہی
ملنے آگیا ہے
جاتے ہوئے تمہیں ساتھ لے جائے گا

پہلو میں پڑے تیر

ڈائن نے اس بار کوئی گھر نہیں چھوڑا
گرے ہوئے درخت کو، دیمک چاٹ گ
عجیب شاندار شخص تھا،
لٹھے کے تھان کی طرح کھلتا جاتا تھا
آگ لگی دیکھی، تو اس پر وہ،
تیل چھڑک کر اگلی گلی مڑ گیا
جب دونوں طرف کے تنور بھڑک اٹھے،
ان کی تپش نے آنکھوں کی نیند چھین لی،
اس کی باتوں پر یقین کرنے سے بہتر تھا
بغل میں گٹھڑی تھام کر رستہ بدل چلیں
بھوتوں کا رقص دیکھنا دلچسپ ہوتا ہے
مال کو میدان میں کھلا چھوڑ کر وہ،
ٹیلے پر بیٹھا، نظارا دیکھتا ہے
برسوں سے رتجگے والا آدمی، میری چپ د
مجھے دلاسہ دینے لگ گیا
آدھے دل میں خوف لیے،
اس نے اپنے کزن کو گولی مار کر
پہلا قتل کر دیا ہے
بس اب آگے کی منزلیں آسان ہوگئی ہیں

۔۔۔ کی قاشیں۔۔۔۔۔۔

میری برائیوں پر پردہ ڈالنے والا،

وہ پہلا شخص تھا،

میرے سینے میں آنچ سی سنسنانے لگی ہے،

ایک چٹان پر ٹیک لگا کر ان دو تیروں کو دیکھتا

ہوں

جو میرے پہلو میں پڑے ہیں

ایک سنہری تیر (محبت انگیز) دوسرا کند سرمئی

(وحشت انگیز)

عبادت

کبھی کبھی فضا کو بادل

ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ڈھانپ لیتے ہیں

جیسے کوئی تو تلا بچہ،

ٹوٹی پھوٹی باتیں کرتا ہے

جنگلوں سے گذرتی ہوائیں

بنسری کا روپ دھار لیتی ہیں،

سروں کی مالا بن جاتی ہے،

گلیوں میں کھیلتے بچوں کا بے بے شور

اپنے اندر مٹھاس کا شیرہ لیے

کانوں میں رس گھولتا ہے، زندگی

کو زندہ روپ میں پیش کرتا ہے

چھپے کاغذوں کے انبار میں بیٹھی کہانیاں

دل کو چھوتی ہیں، فضا میں بربط بجاتی

اور آنکھ میں ملہار لاتی ہیں

لفظ، مفہوم بن کر دل میں اترتے ہیں

سوچ میں آنے سے پہلے منکشف ہوتے ہیں

آوارگی سڑکوں پر پھراتے پھراتے،

دلوں کے بہت سے راز کھول دیتی ہے،

رنگوں میں ایک عکس آتا ہے جو ٹھہرتا نہیں

برف کی قاشیں۔۔۔۔۔

خیالوں کی بھیڑ جنگل پھرتی ہے،
شور و غل فتنوں کی حراست سے
آزاد ہو جاتے ہیں
بے ربطی بھی افکار میں تالیف کی صورت ہے
پرتشش نہ کر کے بھی ہم
زیادہ عبادت کرتے ہیں

ریچھ

اے لڑکی، باہر نہ نکل،
باہر ریچھ پھرتے ہیں، جو سرخ لباس میں ملبوس
لڑکیوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں،
وہ ان کے تلوے چاٹتے ہیں،
ان کے پاؤں پتلے کر دیتے ہیں،
انہیں چلنے سے معذور کر دیتے ہیں،
پھر وہ لڑکی کبھی واپس، گھر نہیں آ سکتی،
اس کا ریچھ بی اے پاس تھا،
اک دن وہ لال کپڑوں والی لڑکی کو
اٹھا کر لے گیا،
اسے لگا کہ ریچھ اسے بستر پر گھسیٹ لایا ہے
اچانک بتی بجھ گئی اور ریچھ نے
اسے پاؤں، تلوؤں، رانوں، ٹانگوں اور
گردن سے چاٹنا شروع کر دیا
بارہا اس کے دانت اور پنجے،
اس کے جسم میں پیوست ہوتے رہے
اور وہ درد سے بلبلاتی رہی،
صبح تک اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا،
ہڈیاں نرم پڑ گئی تھیں نقاہت طاری تھی

عورتیں اسے دیکھ کر ہنس رہی تھیں،
لڑکیوں کے فون آنے شروع ہو گئے تھے
لال کپڑے اتار کر نیلے کپڑے پہنے لڑکی نے
جب سخت احتجاج کیا تو ریچھ غصے سے،
لال بھبھوکا ہو گیا، اس کے دانت باہر نکل آئے
اس نے اپنے دونوں پنجوں سے
اُسے خوب ادھیڑا،
اس معلوم نہیں تھا کہ ریچھ
تلوے چاٹنے کے علاوہ
دھاڑ سکتے ہیں، ادھیڑ سکتے ہیں، مار سکتے ہیں،

آیت الکرسی

شام ہوتے ہی سورج
سمندر کے بطن میں غائب ہو جاتا ہے
جیسے دیہاڑی لگانے کے بعد اسے
سخت نیند کی ضرورت ہے
ریت کی چھاتی پر نشان بناتی،
اپنے گھنگھریالے بالوں کو،
ہوا کی شراتوں سے بچاتی
وہ سیپیاں چنتی پھرتی ہے
ایک ٹوکری میں مچھلیاں جاندار
احتجاج میں مصروف ہیں،
بے جان سیپیوں سے یہ نظارا
زیادہ دلکش ہے،
اس نے دیکھا کچھ مچھلیاں
آیت الکرسی پڑھ کر جمپ لگا رہی تھیں
اور جن کی دعا قبول ہوئی، واپس
پانی میں لوٹ گئیں باقی مچھلیاں
اپنے گھر والوں سے دور روتی ہوئی مر گئیں،
وہ روز سوچتی، آئندہ وہ یہ نظارا دیکھنے
کبھی نہیں آئے گی، مگر شام ہوتے ہی،

برف کی قاشیں.......

اس کے پاؤں کی خارش، ریت کو پکارنے لگتی،
جل پری کی کہانی اس کی دادی نے
کئی بار سنائی تھی
وہ یہ کہانی چھوٹے بھائی کو بھی کئی مرتبہ
سنا چکی تھی
ایک رات اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا،
کئی دنوں کے علاج کے بعد طبیب نے کہا
اس کا علاج نہیں ہو سکتا،
اس شام وہ کنارے پر چلتی، دور
سمندر میں اتر گئی تھی
سمندر کے پانی نے اسے
ہشاش بشاش کر دیا تھا
اس شام جب جال پلٹا گیا،
اس نے بلند آواز کے ساتھ
آیت الکرسی پڑھی اور
اچھل کر دوبارہ پانی میں جا گری۔

مذہب کا مسخ چہرہ

انگریزی سکول کی ٹیچر،
رابرٹ فراسٹ کی نظم دکھائی پڑتی ہے،
اس کی آواز میں، پرانی مدہم سروں والی
موسیقی ہے،
وہ دو تہذیبوں کی جڑی تصویر ہے،
اس کا مشرقی حسن سحر انگیز پر اسرار
اور حسین ہے،
کسی اجڑے مقبرے کی ٹوٹی
ٹائیلوں کے درمیان
اپنے زمانے کو مضبوطی سے تھامے،
خوشگوار مسکراہٹ لئے ایستادہ ہے،
اس کی رنگت انگریزی شعر کی مانند
سرخ اور گلابی رنگ کا امتزاج ہے،
ایسا پھول جس کو شاعر
ہوا کے جھولے پر جھلاتا ہے،
یہ نظم ایک دراز سر سبز پہاڑی سلسلے کے
عین وسط میں
بہار کی خوشبو پہنے کھڑی ہے۔
لوگ اسے دیکھ کر ایسی باتیں سوچتے ہیں،

جو عام حالات میں ہرگز سوچنی نہیں چاہیں
فرنچ پروڈیوسر نے کہا، گھبرانا مت،
یہ سب مل کر تم سے ابھی وہ سلوک
کرنے والے ہیں،
جو وحشیانہ ہے، انسانی حقوق کی
خلاف ورزی ہے،
لیکن تمہیں صرف پرفارمنس دینی ہیں،
ساری باتیں علامتی ہیں،
داڑھی والے اس کی طرف بڑھتے ہیں،
تار تار کپڑوں والی ٹیچر، زمین پر
آرزدہ حال پڑی ہے،
پروڈیوسر نے مقامی کرنسی کے چند نوٹ
اس کی طرف اچھال دیئے ہیں،
پیک اپ ہو چکا ہے، یہ فلم جلد ہی
پوری دنیا میں 'مذہب کا مسخ چہرہ' کے نام
سے چلائی جائے گی

قبضہ

بارش کے موسم میں،
کھڑکیوں اور کاروں کے شیشوں پر
نام لکھنا اچھا لگتا تھا،
طلائی میں چھپ کر، سگریٹ پینے والا بابا
پچھلی رات، دم گھٹنے سے مر گیا
باہر بارش ہو رہی ہے اور خبروں کا بلیٹن
چل رہا ہے
ہولناک رات، چٹان پر سسکتی ہواں کے
بین سن رہی ہے،
اس کی بلکتی لہروں کی جھنجلاہٹ نے خوف کو
اس مقام پر لا کر چھوڑ دیا جہاں سے
بے حسی کی حد شروع ہوتی ہے
تالاب کے کناروں پر کتوں کا قبضہ ہے
پیاسی بلیاں ادھر ادھر دوڑتی پھرتی ہیں
کچھ لوگوں کے ہاتھ پیچھے بندھے ہیں اور
پیٹھ دیوار سے لگی ۔ ہے
اس جنگ کے پہلے حملے ہی میں ہم
اوندھے منہ گر سکتے ہیں،
لالٹین کی روشنی، ڈر ڈر کر اندھیرے میں

برف کی قاشیں-------

جھانک رہی ہے

جادوگروں نے پوری قوم کو

تشنج کی کیفیت میں مبتلا کر رکھا ہے

خوف سے ہمارے بدن اینٹھ گئے ہیں

پھڑکتی مچھلیاں ساکت ہو چکی ہیں،

زندگی موت سے وزنی ہے

ٹھگوں کے سرغنے،

ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہیں

ہوسکتا ہے لوگ آپریشن ٹیبل سے اٹھ نہ پائیں

ہماری زمین پر سونے کا پانی چڑھا ہے

ایک دن یہ خلا میں لڑھک جائے گی

یونہی

کچھ چنگاریاں، آنکھ پر لٹکی ہیں

پھٹے کالر والی قمیض کو

سویٹر کے اندر پہننا ہوگا۔

لوگ پوچھتے ہیں میرے پاس

تمہارا نمبر کہاں سے آیا

تمہارا ہاتھ میں پیالی کانپتی کیوں ہے،

کار کی سپیڈ تو کم ہے،

پیچھے تیز ہارن بج رہا ہے،

قدیمی عمارت کے گرد،

لوہے کی اونچی باڑ لگی ہے

ہیٹر کے باوجود لرزنے والی کا

سانس پھولا ہوا تھا،

کافی پینی ہے تو اس کے لئے،

بیڈروم بہترین جگہ ہے،

لیڈی ڈاکٹر کیا کرے گی۔

طوائف کو بچے کی ضرورت نہیں ہوتی

بکاؤ مال مرد کے لئے ہوتا ہے

ایک حرافہ بیوی اچھی ہے

سرخ شیروانی کے نیچے،

برف کی قاشیں.......

دھاری دار قمیض لٹکی ہے،
جس کے کندھے پر، لپ سٹک کا داغ تھا،
اس کی جیب میں ایک
فون نمبر والی چٹ پڑی ہے
میری نسیں پھول جاتی ہیں
میں بات بے بات، بچھوؤں کو
جھڑک دیتا ہوں
تمہارے کپڑوں سے ایک
نامانوس خوشبو آرہی ہے
سب مجھے چپ رہنے کا مشورہ دیتے ہیں،
میرا خیال ہے مجھے بات مان لینی چاہیئے،

الوداع

میرے خوابوں میں آنے والا بچہ،
اب کروٹ لے کر سونے لگا ہے،
کبھی کبھی وہ گیند کی مانند
ٹپا کھا کر، ادھر ادھر لڑھک جاتا ہے،
مجھے لگتا ہے میں اس دوزخ میں اکیلا نہیں ہوں

املتاس کے درخت میرے چہرے پر
چرمی قلمی نسخوں کی باقیات مل کر
انہیں پڑھنے کی تعزیر میں،
میرے لبوں پر سوکھی چندھیائی آنکھیں رکھے
باقی ماندہ صفحوں کو گننے کا واویلا کرتے ہیں،

صحیفوں کی عبارتیں، دم گھونٹے چت لیٹی ہیں،
ان کی لہریں، میری جان کے
کونوں کھدروں میں سرایت کرتی ہیں،
ابجد کے ایندھنوں کی راکھ اڑ چکی
نیند کو ضربیں لگا کر کھودنا پڑے گا

میری لاش، بدھ کے برگد تلے،

زمانے کے متروک پرماتماؤں کی آنکھ میں
آنسو بنی، بربادیوں، آبادیوں کی داستانیں،
سناتی ہے،
تنہائی اپنی جڑواں بہن کو لے کر
زاروقطار روتی ہے،
وقت کے زرد بدن کو زندہ کرتی ہے
میں اب اس جنازے کو الوادع کہنا چاہتا ہوں
لوگو اب تم پر جلدی کرنے کی
ذمہ داری آن پڑی ہے
وہ سارے درخت جن کے
جو اس کو میری قربت کی
عادت ہو چکی ہے، خیر سے مجھے الوداع کہیں،
میں نے اپنا خواب دھوپ میں
رکھ دیا ہے جلدی ہی ایک چڑیا
اسے اٹھا کر لے جائے گی،
اس لڑکی کی آنکھ میں سوئی بنا کر
رکھ دے گی جس میں وہ شبنم پروئے گی،

جلسہ

مادھوری نے مدھوبالا سے کہا
آج سردی بہت زیادہ ہے آؤ مل کر
جلسہ کرتے ہیں،
مگر میں ڈرتی ہوں کہ تو
گروُ کی خاصی چہیتی ہے
وہ خود تیرے لئے چل کر
شناختی کارڈ بنوانے گئی تھی
اور تیری ولدیت کے خانے میں
اس نے اپنا نام لکھوایا ہے

مدھوبالا گرم تھی، کہنے لگی،
جب پیار کیا تو ڈرنا کیا
مجھے بزدل مردوں سے نفرت ہے
اگر ڈرنا ہے تو پیار چھوڑ دے ورنہ
میں کسی دن تجھے ناخن پر رکھ کر چٹ کردوں گی

تجھے یاد ہے سردار سکھ بیر کے ڈیرے پر
جب ہم رقص کناں تھیں تو اس روز
اس کا بڑا لڑکا مجھ پر مرمٹا تھا،

برف کی قاشیں.......

شراب کے نشے میں دھت
اس نے مجھ سے زنا بالجبر کیا تھا
میری عزت لوٹ لی تھی
وہ آج بھی اس رات کو یاد کرتا ہے
ہر عید، شب برات تحفے بھیجتا ہے

یہ کم بخت مرد بڑے بے وفا ہوتے ہیں،
دوستیوں کا حق جتاتے ہیں لیکن دوستی کا
اقرار نہیں کرتے، ہمارے ساتھ
سرعام ملنے سے گھبراتے ہیں،
ڈیرے کے مرد بھی تو آپس میں
جلسہ کرتے ہیں
انہیں دوست بنانے میں کسی کو عار نہیں ہوتی
رات گزرتی جاتی ہے، ٹھنڈ بڑھتی جاتی ہے

جنم بھومی

دس ہزار میل دور لیٹی زمیں
مجھ سے سرگوشیاں کرتی ہے
میری آنکھوں میں آنسوؤں کی مرچیں
ڈال کر ساری رات جگائے رکھتی ہے
مجھے اپنا گھر یاد دلاتی ہے جہاں کے
ایک ایک کونے سے میں واقف ہوں
بچھڑ کر بھی بتا سکتا ہوں کہ لان کے
کس کونے میں کون سا پودا لگا ہے
موسم بدلنے کے بعد میرے باپ نے
کیاریوں میں
کس رنگ کے پھول اگائے ہوں گے
جہاں سے میں شہر بدر ہوا، وہاں تو
شاہی عمل داری ہے۔
جاہل، جو الف کا نام ٹھا نہیں جانتے
بڑے بڑے عہدوں پر ملازم ہیں
خواجہ سراؤں کے پلٹن، اور رسالے،
تعینات ہیں،
پس ماندہ روایات، سماجی و معاشی تعلقات کے
جامد نظام میں جکڑی ہوئی ہیں،

وہاں جھاڑ پھونک کی عمل داری ہے
چار پائی کی اونچی پائنتی، منحوس ہے،
بچے کو نہلا کر کالا تل لگانے سے، نظر نہیں لگتی
مولود شریف میں لوبان جلا کر
مُردوں کی روحیں شریک ہو سکتی ہیں،
پردیسی کے سامنے سفید چاول رکھنے سے
چالیس دن کا رزق، ختم ہو جاتا ہے،
ٹینس کھیلنے والی لڑکی پر ارضی و سماوی آفات
نازل ہوتی ہیں
پھر بھی، میں اپنی جنم بھومی میں
لوٹ جانا چاہتا ہوں
جہاں کے کوچے و بازار، آج بھی
میرے ساتھ چلتے ہیں،

شہد کا زہر

شہد کی مکھی
بھول گئی ہے،
اس زہر کو کہیں رکھ کر،
جو اس نے جو کھم سے جمع کیا تھا،
پھولوں کی پتیاں زرد پڑ گئی ہیں،
جب سے اپنوں نے یہ خبر سنی ہے کہ
ان کی رگوں سے نچوڑا گیا خون
موت میں بدل دیا گیا ہے،
پتوں کے چہرے پیلے پڑ گئے ہیں
شاخیں مرجھانے لگی ہیں،
زندگی الجھ گئی ہے
نبض کی رفتار ٹھہرتی جاتی ہے،
بے بصری کا بہاؤ، بڑھتا چلا جاتا ہے،
کپکپاتے جسم نیا خون مانگتے ہیں
دست مرگ نے ان پر نیزے
تان لیے ہیں اونگھتی بینائی والی
پتیوں میں ابھی کچھ جان باقی ہے
موت سرگرم، اپنے
دستخط مکمل کرنے نکل پڑی ہے

سرحدوں سے زندہ واپسی مشکل تر ہوتی ہے
شہیدوں کے نام لکھ دیے گئے ہیں
آتے جاتے لمحے، ان کی پرانی
آہٹیں سن کر تتلیوں کے ماتمی جلوس نکالتے ہیں
انگلیاں لہولہان ہیں، منظر کرچی کرچی،
زبان سے اس زہر کو چکھ لو

دھاگے

دیکھو اس کارخانے کی تندوں میں
میری رگیں تنی ہیں،
میری ہوں میں پھنسے دھاگے
میری روح سے نچوڑے گئے ہیں،
میری آنکھیں، ایک خوفناک
میکانکی عمل سے، تانے بانے کی درمیان
دوڑنے والی لکڑی پر ٹکی ہیں،
چہرہ سپاٹ ہے، مجھے اس وقت
اپنی بیوی بچوں کا ہرگز نہیں سوچنا
ورنہ میرا ہاتھ کٹ سکتا ہے،
میرے بچوں کی جھولی میں
بھوک انڈیل سکتا ہے،
میرا اندر ہیجان سے مالا مال ہے
سانس وجد میں، دف کی صورت بجتی ہے،
میرے دل اور دماغ کے درمیان
ریل کی ایک پٹڑی بچھی ہے،
جب دھاگوں کے درمیان بھاگتی لکڑی
کھٹاک سے دھاگہ توڑ دیتی ہے
سپروائزر جلدی کی ہانک لگاتا ہے،

میرے ہاتھ مشین سے زیادہ تیز ہیں
لمحوں کے وقفوں میں
دھاگے کو زندہ کر دیتے ہیں،
میرے تھیلے کو کھول کر دیکھ لو، اس میں تمہیں
محض چند روٹیاں کچھ اچار، اور دعائیں
ملیں گی وہ پودا جو میں صبح لگا کر آیا تھا
میری واپسی تک پھلدار درخت بن گیا ہوگا،
پھر مجھے کلہاڑے کی ضرورت پڑے گی
اور میں اپنے بیٹے کو
آرے پر لے جاؤں گا

ٹرالیاں

یہ ایک بوڑھے درخت کی کہانی ہے
جس کے دانت ہلنے لگے ہیں
میں چاہتا ہوں کہ کوئی مشاق ہاتھ
مجھے تراش کر،
بچوں کے لیے تختیاں یا تختہ سیاہ بنا دے
مگر سارے لکڑی تراش تو دوبئی چلے
ان کی محنت کے عوض ہم، وہاں سے
عمدہ قسم کے حیضی پیڈ اور رنگین کنڈوم
کرتے ہیں
لوہے کی ٹرالیاں، شاپنگ مالوں کے
قطار میں لگی ہیں؟
لوگ بکے بکے، جیبوں سے ان گنت
نوٹ نکال کر انہیں بھرتے ہیں،
برسوں میں رقمیں رکھنے کا رواج نہیں،
تم نے جو سرمایہ اپنی زندگی بیچ کر
اولاد کو گروی رکھ کر،
لوگوں کی جیبوں سے چرا کر،
ملک کی رگوں سے نچوڑ کر،
اپنے پاس ڈھیر کر لیا ہے،

برف کی قاشیں------

تمہاری بہترین زندگی کے لیے
کیوں ناکافی ہے
تمہارے مرنے کے بعد
تمہارے بنک اکاؤنٹ میں ملنے والا پیسہ
بتائے گا کہ تم نے
زندگی میں اپنی ضرورتوں سے
کتنا زیادہ کام کیا ہے

ڈیوڑھی

میری سلین زدہ ڈیوڑھی میں
کتنی ہی سریلی باتیں، دیواروں پر
لکھی ہیں، میں یہاں کھڑے ہو کر،
کئی بار رونے کی کوشش بھی کرتا ہوں
مگر سامنے کی گلی کھڑی
ہنستی رہتی ہے، میرا مذاق اڑاتی ہے،
میں کئی بار اسے حکم دیتا ہوں کہ وہ
اس ڈیوڑھی کے سامنے سے ہٹ جائے
مگر اس پر آج کی تاریخ میں چلنے والے
اس پر سختی سے اعتراض کرتے ہیں،
مجھے لگتا ہے، مجھے اپنے گناہوں کی
معافی مانگنی چاہیے،
میری بوڑھی ہڈیاں، پرانے دنوں کا اقرار
کرتے ڈرتی ہیں
میں چاہتا ہوں، سامنے والی سڑک پر
میں تمہارے پیچھے چلتا چلا جاؤں،
ہزار، ہماری بات نہ ہو لیکن تمہیں دیکھنا
تمہیں چھونے جیسا ہی لگتا ہے،
میرے اندر کا شور، میرے برہنہ جسم سے

چمٹا ہے، میں آج بھی،

اپنے سینکڑوں وعدوں کی رسی سے بندھا ہوں

مجھ پر اس کی محبت کے اتنے احسان ہیں کہ

میرے جسم کی کھال سے، جوتے بھی

بنائے جائیں تو شائد، اس کا

حساب چکتا نہ ہو، عمر ہونے کو آئی

میرے کمر کسی قدر جھک گئی ہے؟ ٹانگیں

لڑکھڑاتی ہیں،

مگر تمہارے ساتھ ڈیوڑھی میں گزارے

ہزاروں لمحے، جزیات سمیت یاد ہیں۔

خرچہ

مجھے ہر ماہ کی دوسری تاریخ کو

اپنے بیٹے کے در پر

خرچہ مانگنے جانا پڑتا ہے،

بیوی پھٹی شلوار پر

ٹانکے لگانے نے میں مصروف ہوتی ہے،

اس کی داہنی آنکھ کا موتیا

علاج نہ ہو سکنے کی وجہ سے

کالے موتیے میں تبدیل ہو گیا ہے

ہاون دستے سے مرچیں کوٹتے

اس کے ہاتھوں میں

گھٹیاں پڑ گئی ہیں

ہمارے لہو ہی میں شائد کوئی کھوٹ تھا

ہمارے سینچے گئے پیڑ پر سوکھی

شاخیں اُگی ہیں،

بے وفائی کے پھول کھلے ہیں،

جب اس کی چھاتیاں بھری تھیں،

اس کی آنکھیں روشن اور سیاہ تھیں

اس کی سانسوں میں نور مہکتا تھا

وہ بیٹے پر جانثاری کرتے نہ تھکتی تھی

لیکن وقت کے ساتھ آسمان نے
ہمارے گھر میں ایک ڈراونا،
زندہ خواب بھیج دیا،
ایسا آسمان اتارا جو پرندوں سے
خالی تھا، دھویں سے بھرا تھا
میں تو گدھے کی پیٹھ پر بیٹھا ہوا
ایک چوپایا تھا، جو اپنے خواب اور
خواہش گھٹھڑیوں میں باندھتا رہتا تھا
رات کی سیاہی میں اپنے خون سے
کتابوں پر لیمپ جلاتا تھا،
میں ایسا گدھا ہوں جس کی پیٹھ سے
آج تک بوجھ نہیں اترا
میری پیٹھ بھی زخمی ہو چکی ہے
وہ ہمیں عین پل کے نیچے بنی
جھونپڑی میں چھوڑ کر چلا گیا ہے
مجھے خرچہ مانگنے کے لیے دس بار
اس کے در پر جانا پڑتا ہے

روپوش معمار

جو کچھ میرے پاس تھا، میں نے
بڑھیوں، راجوں اور معماروں کو دے دیا،
اپنی رقم کا بڑا حصہ لکڑی اور
تراشے ہوئے پتھروں پر خرچ کر ڈالا
میں جیون بوٹی کا مالک تھا
موسیقی میری خانہ زاد تھی
ایک دن میں اس پر
گرفت پانے ہی والا تھا کہ
اس نے اپنے دیوتا کو آواز دی
یا تو میری شکل تبدیل کر دے، یا مجھے
زمین میں سمانے دے،
اس کے اعضاء سخت ہونا شروع ہو گئے
میں نے کہا، اگر تم میری جیون ساتھ نہ بن سکیں
تو میں تمہیں درخت بنا کر
اپنے باغ میں لگا دوں گا،
اپنے بربط اور ترکش تم سے بناؤں گا
میں تمہیں اپنے شباب کی طرح لازوال
بنا کر تمہیں سدا بہار کر دوں گا،
میں نے اس صدی کا سارا ریوڑ دیکھ لیا ہے

برف کی قاشیں-------

مگر ایک دم تیز چھری سے گردن کاٹ کر
آنے والے ہزار سال تک قائم رہنے والا مزار
تعمیر کرنے کو، تم سے بہتر کوئی نہیں ملا۔
اے میرے عزیز مزدورو
گول دیوار کی تعمیر کے لئے
اینٹیں ڈھوتے رہو، بجری لاتے رہو
یہ مقبرہ، ایک روپوش معمار کے حکم پر
تعمیر کیا جائے رہا ہے اور اس کا نقشہ لاشکل ہے
ایک کروڑ سال پرانا شخص غار میں بیٹھا ہے

تنہا نمازی

وہ پرماسس کی ایک چٹان سے
ٹیک لگا کر، کھڑی ہو گئی
اس کے سینے میں، آنچ سنسناتی تھی،
رنگ بہیر بوٹی کی طرح سرخ تھا،
وہ چاہتی تھی کہ اسے ہمیشہ کے لئے
کنواری رہنے دیا جائے،
سینے کے جوالا مکھی اتار چڑھاؤ
ہوش ربا، رسیوں پر تنے، ستاتے تھے
ستاروں جیسی آنکھیں،
باہیں شانوں تک ننگی اور بلوریں پنڈلیاں
اپالو، وینس، جیوپیٹر کو مبہوت کرتی تھیں
وہ التجائیں کرتے،
اس چندر مکھی، سندر بالا کو
سورج میں نہلا کر،
چاند کی تیکھی، اجلی کرنیں
اس کے بدن پر مل دی گئی تھیں
اس کی کمر کے گرد، سنہری،
کیسری ناگنیں لپٹی تھیں
روشنیاں اس کی دیوار جان کو

برف کی قاشیں------

چھیدتی ہوئی گزر سکتی تھیں
انہی لمحوں میں اس نے اپنی ذات کا
دریچہ کھلا دیکھا تھا،
اس نے فقیروں سے کہا،
اسے عافیت کا رستہ عطا کریں،
اپنے جنازے کی تنہا
نمازی بننے دیں۔

رسائی

دھانی قبا میں ایک پری،
نیلے پانی میں، چاند کے عکس کے
ساتھ تھرتھراتی ہے۔
نیم برہنہ دونوں جسم
کالے ڈھول کی آواز سے دور
پانی کے ماتھے پر شکنیں لکھتے ہیں

تماشا دیکھنے والے آدمی نے کہا
آج کا دن دکھ، ملامت اور توہین کا دن ہے
آنکھ میں اپنا پانی لئے۔ اس نے اپنے کپڑے
پھاڑے اور ٹاٹ اوڑھ کر
خدا کے گھر میں گھس گیا

سنہری مچھلیاں، دونوں کو راستہ بتا کر
جہازوں کے ملبے کے پیچھے
گہرے سمندر میں لے گئیں، جہاں
بوڑھا سمندر
ابھی خود کو تلاش کر رہا تھا

برف کی قاشیں------

خدا نے کہا، جا اور جا کر
چاند سے کہدے کہ اس نے
میری تکفیر کی ہے، میں جلد اس میں
روح ڈالنے والا ہوں،
یہ سن کر پری اسے چھوڑ کر
چلی جائے گی کیونکہ پریاں جانداروں سے
پیار نہیں کرتیں

سمندر نہا کر فارغ ہوا تو اس نے پایا کہ
چاند وہاں سے جون بدل کر
رخصت ہونے والا ہے
تاریخ میں عشق کی ایک اور ناکام
داستان لکھنے والا ہے،

اس نے چاند اور پری کو اپنی تہہ میں
چھپا لیا جہاں فرشتوں کی رسائی نہیں تھی

موخر

شکستہ ہڈیوں کا پل
ازل سے ابد تک پھیلا ہوا ہے
اس کی کہنگی نے، آخری اعلان کر دیا ہے
اس کی صورت ریت میں بدلنے والی ہے
زمین کی سرحدوں پر آخری غدر
مچنے ہی والا ہے
جلد فصلیں ڈھ جائیں گی شہروں کو
کھنڈروں میں بدل دیں گی
میدان کی گھاس اور ہری پود، چھتوں کی گھا
اناج سمیت بڑھنے سے پہلے سوکھ جائے گ
آدمی کے کے میں نکیل ڈال دی جائے گی
خود اگنے والی چیزوں کو واپس بلا لیا جائے گا
لفظ سے بننے والی کبوتروں کی
غرغوں ختم ہوئی
حمد کے دروازے بند کر دیے ہیں
اب ہم کس آدمی کی طریقت پر چلتے رہیں
ہمارے چہروں کے غم، لمحہ بہ لمحہ، خوف سے
بدل رہے ہیں
کلائیوں، شانوں تک ننگی بانہوں اور

برف کی قاشیں......

بلوریں پنڈلیوں کا دیکھنا
پوشیدہ حصوں کا غضب ڈھاتا تصور
سینے میں چھپے جوالا مکھی، ہوش ربا اتار چڑھاؤ
رہ رہ کر التجائیں کرتے ہیں
پل کا ٹوٹنا موخر کر دے
آخری آواز، موخر کر دے۔

ریت کی قبر

آنکھ میں آنسو بھر کر،
پل پر سے گزرتے ہوئے،
وہ ازل سے ابد تک پھیلی ریت پر
گرتا چلا جا رہا ہے،
زمین بوس ہوتے ہوتے وہ
زمانے کی ایک جھلک دیکھنا چاہتا ہے
جہاں سارے حجرے منور تھے
مگر اب وہاں بھیانک شکلیں ہیں
جن کے سروں پر سانپ کنڈلی مارے
بیٹھے ہیں
انہوں نے جنازوں کی روشنیاں
چرا کر عارضی منڈپ سجا لیے ہیں اور
حجلہ عروسی کے عین اوپر
گرتی پت جھڑ کو پھول سمجھ لیا ہے
ساری کوٹھریاں، خواجہ سراؤں کی گھروں کے
برابر ہیں
رتھ، سورج کی آگ سے جل رہے ہیں
مذبح خانے جو بالا خانوں کی چھت تھے
گرا دیئے گئے ہیں

برف کی قاشیں------

ان کے صحن چور چور کر کے ان کی خاک کو
نالوں میں پھینکوا دیا گیا ہے
اونچے مقامات پر نجاست ڈلوادی گئی ہے
ستونوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے
ان کی بنیادوں میں مُردوں کی ہڈیاں
بھر دی گئی ہیں
شہر کے بیچوں بیچ ریت کی ایک قبر ہے
جس کو اپنی جگہ چھوڑ دیا گیا ہے
حکم ہوا ہے کوئی اس کی ہڈیوں کو نہ سرکائے
یہ آرام گاہ اس شخص کی ہے
جو آنکھ میں آنسو بھر کر
پل پر سے گزرتے ہوئے
ریت پر گرتا چلا گیا تھا

خود کشی کا دن

ربڑ کے چھ انچ کے شاپر میں
ہزاروں انسان ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں
ان کے گرد زندہ رکھنے والی ریشمی جھاگ ہے
اس سے پہلے کہ اسے فریزر میں رکھ کر
منجمد کر دیا جائے تم
ایک پوائنٹر سے ایک دو انسان اس میں سے
اٹھا کر اپنی بیوی کی بچہ دانی میں
رکھوا سکتے ہو،
اس میں فرق صرف یہ ہے کہ انہیں
دریا کی صورت اندام نہانی میں تیرنے کو
چھوڑا نہیں جائے گا اور کسی کو
شکار کی اجازت نہیں دی جائے گی
اب یہ شخص پرورش پا کر
اسی سڑک پر نکلے گا جو اسے
روزانہ دفتر لے جائے یا پھر یہ
کسی اینٹوں کے ڈھیر پر روڑی کوٹے گا
کسی باقاعدہ پیدا شدہ انسان کے لئے
خدمت سرانجام دے گا،
اس کو یہاں کی سلطنت بھی میسر آسکتی ہے

جہاں یہ تخت و تاج پہن کر، لوگوں پر
حکومت کرے گا۔

ہر دو صورتوں میں اس جہان کا چوکیدار
اسے تگنی کا ناچ نچائے گا
اس کی کلف لگی گردن کو بار بار مروڑتا رہے گا،
جس روز وہ اسے اس کے باپ کا نام بتا دے گا
وہی دن اس کی خودکشی کا ہوگا

دام

چلو دریا کے کنارے چلتے ہیں جہاں
مدقوق کتے بھوک سے مر رہے ہیں،
ان لاغر اور لاچار کتوں کا شکار آسان ہوگا
خود کو شمار کرنے کی حماقت کو چھوڑ دو
مقدر کی جرابیں پھٹ چکی ہیں
ہاتھ کی تلیوں میں جلے خوابوں کی راکھ ہے
ادھوری قربتوں کی کہانی ہے
خالی کاغذوں پر ثبت کیے گئے دستخط
بے معنی ہو کر اڑتے پھرتے ہیں
سفیدی کا تقدس، اب روڑی پر پڑا ہے
باولا بن کر کسی کتے کو کاٹنا،
تمہارا پیٹ بھر سکتا ہے،
تم لاکھ قسمیں کھاؤ، تاویلیں لاؤ کہ
تم دہشت گرد نہیں ہو صرف گوشت کے رسیا ہو
عدالتوں کو تمہارے الفاظ میں
ٹائم بم سنائی دیں گے،
موسیٰ کو کسی نے جلا ڈالا تھا وہ ہسپتال کے
برن سنٹر میں بے ہوش پڑا ہے
اس کے لیے منرل واٹر لانے کی اجازت

برف کی قاشیں------

دیدی گئی ہے،

سرداریاں قائم۔

اب وقت کے فیصلے فرعون کرتا ہے،

گوتم گیان اوڑھے امریکہ گھومتا رہتا ہے

ایجنسیوں کی فائلیں،

مخش مواد قرار دیدی گئی ہیں

میری آنکھیں ہنگر پر ٹنگی ہیں،

اوپر والا برگد سے پانی برسا کر

مجھ سے منسوب کیے جانے والا معجزہ

کیوں نہیں دکھاتا

بھوک میں کوئی چیز حرام نہیں ہوتی

وعدہ

آگ آسمان سے نازل ہوئی

بھیڑوں اور نور کو جلا کر بھسم کر دیا

تب اس نے سر مونڈا، زمین سے ٹکرا کر کہا

میں ننگا ہی اپنی ماں کے پیٹ سے نکلا

ننگا ہی واپس جاؤں گا

تم یہاں بیٹھ کر بھُنی ہڈیوں سے

پُل بناؤ میں تو جلی مٹی کے

منظر میں گھر گیا ہوں

تمہاری آنکھیں، صدیوں سے،

زمانہ زمین بوس کی

ایک جھلک دیکھنے کو ترس چکی ہوں گی،

مگر میں وہی ہوں جو تیرے زمانے کے

وسط میں کچھ دنوں کے لئے چمکا تھا مجھ سے

تیرے سارے زمانے منور ہوئے تھے

میں تمام عمر لفظوں کے کبوتر بناتا رہا

مقدس غرغوں کے نغمے ایجاد کرتا رہا

آسمانوں پر جگمگانے والے، مفہوم پرندے

تیری حمد گاتے ضرور ہیں لیکن ان میں

کوئی چاشنی بھی ہے،

برف کی قاشیں-------

میرے موسموں سے تیرے موسم بھی
بدلتے تھے .
پرندے بھی چہکتے تھے
اب وہ گرمیلی خوشبو تو نے ماردی ہے
اپنی مخلوق بے آسرا کر کے نابود کر دی ہے
میرے دائمی آئینے، تیرے چہرے کے
غم بدلتے رہے ہیں
تیرے ناآسودہ جذبوں کی شائد
تکمیل ہوگئی ہے، میں تجھ سے دکھ سہنے کا
وعدہ لینا چاہتا ہوں

حکمت کی باتیں

انسان آتا ہے، انسان جاتا ہے
مگر بھیجتا کون ہے؟
تمہاری کھال کی جوتیاں بنا کر
ارسطو، کراچی شہر کی، سڑکوں پر
گشت کرنا چاہتا ہے مگر
اس عظیم سپاہی کی جوتے مرمت کون کرے گا
کچھ لوگ اپنے ہم شہروں کی کھالوں سے
لپٹے ہیں، جن کی رگوں میں
کالے رنگ کا خون گردش کرتا ہے
اس زمانے کے ریوڑ کے جسموں سے
روح نکال کر، سڑک پر پھینک دیا جاتا ہے
سارے کام پر افلاطون کی اکیڈمی کا مامور
خود ارسطو، آنے والے زمانوں کے لئے
فلسفے کی کتابیں لکھتے ہیں،
ناف کٹتے ہی بچوں کے گلوں میں
گولیوں کے، قرض کے،
ہار پہنائے جاتے ہیں
نوزائیدہ پہلے ہی جنم دن پر
منہ کھول کر لعنت کرتے ہیں، کہتے ہیں

برف کی قاشیں------

نابود ہو وہ دن جب ہم پیدا ہوئے

موت کا سایہ ہمارے سروں پر قابض ہے

بدلی چھائی ہے، جلد گہری تاریکی

اس رات کو دبوچ لے گی،

حکمت کی کتابوں میں لکھی ساری باتیں

ہمیشہ زندہ رہیں گی

مینشن کے مکین

دیوار کی درزیں، برادہ اگل رہی ہیں،

وقت نے مکان کی جدت چھین کر

اس پر کہنگی مل دی ہے،

بڑی دیواروں پر بارش کے لعابوں کے

نشان پڑے ہیں۔

دروازوں پر دیمک بڑے پیشاب سے

مٹی جمائے رکھتی ہے،

اندر رہنے والے کے لبوں سے اگلتے

جدید گیت، پرانے بھولے بسرے

نغموں میں بدل گئے ہیں

کئی خزاؤں نے جھڑ جھڑ کر پتوں کے

انبار لگا رکھے ہیں،

دھیان گیان میں رہائش پذیر محبت

مٹھیوں میں ٹھنڈی راکھ پکڑے

بدن میں تھکاوٹ کا بوجھ لے کر

ایک کونے میں سمٹی رہتی ہے

سانسوں کی ڈوریاں گنجلک ہوگئی ہیں،

کئی ہاتھوں پر لکیریں، نالیاں بن گئی ہیں،

کنگھیوں میں سفیدی کے جال لٹکتے ہیں،

برف کی قاشیں......

چہروں کو سورج کی لالچی زبان
نے چاٹ لیا ہے،
اس پرانی جنت میں انرجی، ایندھن
اور خوراک کا شدید بحران ہے،
جنتی لوگوں کی مینشن ایک کربلا میں
بدل چکی ہے
مکین سبقت لے جانے کی دوڑ میں لگے ہیں

دھشت انگیز، تاریکی

مجھے دن کو تاریک کرنے والی چیزیں،
دہشت زدہ رکھتی ہیں،
کبھی کبھار یہ تاریکی، رات کو بھی
دبوچ لیتی ہے،
دن پر لعنت کرنے والے، اس
اژدھے کو چھیڑنے پر تیار ہیں،
میرے پیدا ہونے کے بعد میری ماں نے
رحم کا دروازہ بند نہیں کیا تاکہ
میرے دکھوں کو چھپا کر رکھ سکے،
بہتر تھا میں رحم ہی میں مر گیا ہوتا
اچھا ہوتا مجھے پینے کو چھاتیاں نہ دی جاتیں
آج میں پڑا بے خبر سوتا رہتا،
زمین کے بادشاہوں نے اپنے لیے
مقبرے بنالیے ہیں،
ان میں تعینات داروغہ قیدیوں کی
آواز نہیں سنتے،
ابھی نوکر، اپنے آقا سے آزاد ہیں،
چھپے خزانوں سے زیادہ شادمان ہیں،
انہوں نے اپنی قبر پالی ہے،

مگر مجھے میدان میں تنہا چھوڑ دیا گیا ہے
میرے کھانے کو آہیں رکھ دی گئی ہیں،
کیا پھیکی چیز کھائی جا سکتی ہے
میرے اردگرد ایک زرد بارہ دری ہے
دو چار مہینوں کی زندگی، گیند کی طرح
کودتی ہے اس کے درختوں پر ننگی تاریکی
رقص کرتی ہے، دہشت زدہ رکھتی ہے
اندر بھی، باہر بھی

انجام

اسے معلوم ہو گیا تھا کہ
کندھے پر کلاشنکوف ڈالے
گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر
سنگلاخ چٹانوں میں رہتے
امریکہ کے خلاف جنگ
جیتی نہیں جا سکتی،
پیچھے مڑ کو دیکھا تو سارے
راستے بند تھے
وہ چاہتا تھا کہ اس کے بچے
یورپ جا کر دنیا کا بہترین علم
حاصل کریں، اچھی تربیت پائیں
زندگی گزارنے کے مہذب اطوار سیکھیں
وہ ایک متمول شخص تھا جس کو
بندگلی کی سزا ہوئی،
سب مطلب پرستوں نے اُس کی
ایک غلطی کے عوض اسے
اچھی طرح استعمال کیا،
جدید دنیا کا شخص ہوتے ہوئے
اس سے بھول ہوگئی کہ اس زمانے میں

نظریاتی جنگیں ، ہتھیاروں سے نہیں
لڑی جاتیں
دین کو بچانے یا پھیلانے کے لیے
تلوار کی نفی کی گئی ہے،
دنیا نے اپنے نظریات پر عمل کے لیے
سرحدیں قائم کر لی ہیں،
ان کو پھلانگنا گنا جرم قرار پایا ہے،
جس نے بھی اس سے دور میں یہ
جرم کیا ہے، ہمیشہ منہ کی کھائی ہے
ایک اور انجام واضح ہو کر،
سامنے آنے والا ہے۔

زہر

چارٹ پر شام کو دی جانے والی
دوائیوں کا اندراج کرنا ہے،
امداد کے لیے نسخہ لکھ دیا گیا ہے
جس کی پچھلی طرف درج ہے کہ موت کو
کتنی دیر ٹالا جا سکتا ہے،
معالج جانتے ہیں کہ موت تو،
معروضی کیفیت ہے
جو باہر سے ہم پر آن ٹوٹتی ہے،
ان کے نزدیک ، پیدا ہونا اور مر جانا
مہمل ہے، مستقل مغائرت کی صورت ہے
چلتے ہوئے ، پتھروں پر شہروں کے نام،
پڑھے جا سکتے ہیں،
ہوشیار اپنی چالاکیوں میں پھنس جاتے ہیں،
عیاروں کی تدبیریں باطل ہو جاتی ہیں،
ٹیڑھے لوگوں کی مشاورت جلد جاتی رہتی ہے،
آخر بدکاری اپنا منہ بند کر لیتی ہے،

چوراسی لاکھ جونیں رکھنے والوں میں،
ایک ہی بھوت ہے، جس کو زندگی کہتے ہیں،
چھوٹے دیوتاؤں کی شرن لینے والے،
دنیاداری کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں،
سفید وردیوں والے سب کے سب
بھوت پرانیوں میں شامل ہیں،
بیمار گھوڑوں کے وارڈ میں ہنہناہٹ،
موت کی آواز ہے،
کوچوان نے اپنے آنے والے
لمحوں سے بے خبر
آہٹوں کو مٹھیوں میں جکڑ رکھا ہے
جسمانی بیماریوں کے تشدد کو روکنے کے لیے
تقدیر کی کتابیں پڑھنا ہوں گی
آخری حکم کا اطلاق، زبان پر
زہر ٹپکا کر کیا جائے گا

گھُتی

ہم اپنے مادی وجود کے سبب
پریشانیوں میں ڈوبے رہتے ہیں
مگر کیا کریں، یہ وجود غیر موجود ہے
نہیں معلوم ہمیں کس جرم کی پاداش میں
سزا دی گئی ہے۔
ہمیں خود کو تلاش کرنے کے لیے
اپنی کھوج پر مامور کیا گیا ہے،
اسی سے انسانیت کا سراغ ملے گا
ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ہم دکھی کیوں ہیں یا
کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جائیں گے
یہ زندگی تو ابتدا ہی سے بے مزہ ہے،
اس تخلیق کے ساتھ کونسی تمنا جڑی ہے
ہم سمجھتے ہیں کہ انا کی بستی میں،
ہم مسند نشین ہیں
لیکن وقت آنے پر دست خوف پر
بیعت کر لیتے ہیں
یہ مٹی عجیب مٹی ہے جسے بڑھا کر
خلقتوں کا سیل بے کراں چھوڑ دیا گیا
ہم برہنہ پا، کہساروں پر چلنے سے گھبراتے ہیں

سمندر کی وسعت، اس کے ساحل پر
ہمیں تھکاوٹ میں لپیٹ لیتی ہے،
موت نے اپنے کان بند کر رکھے ہیں
یہ ہمارے گوشت میں چھپ کر بیٹھی ہے،
صبر اور شکر سے برسوں تک،
واردات کے موقع کا انتظار کرتی ہے
قطرہ قطرہ اپنا ہی خون چاٹتی ہے
پیٹ کے ایندھن سے اپنی خوراک
تلاش کرتی ہے
یہ وجود کی تفہیم سے آگاہ ہے کہ کسی روز
غیر موجود کو حلق میں باندھ کر
نکل جائے گی

بھوت ٹھنڈے ہوتے ہیں

سمندر کے نمکین پانی نے،
بڑی دیر، میری لاش کو زندہ رکھا
میری کشتیوں کا بوجھ
ایک کنارے پر لا کر اگل دیا،
کئی روز دھوپ میرے اندر
تعفن پیدا کرتی رہی۔
کتوں نے میرا جسم کاٹ پیٹ کر
اپنا پیٹ بھر لیا۔
میری روح اوپر اٹھی تو اسے پتہ
چلا وہ تو اندھی ہے،
اسے ساتھ والے جنگل میں
درختوں سے ٹکراتے کئی زمانے گذر گئے
ایک سرد، رات ایک بھوت میرے
اندر داخل ہو گیا۔
میری شاہ رگ زندہ ہو گئی تھی
میں نے کچھ کہنا چاہا تو کسی نے مجھے
اپنے ہونٹ ہی نہیں دیئے
موقعہ اچھا تھا، میں نے کچھ تیر
درختوں پر بنا دیئے، شائد کہ

برف کی قاشیں......

میری تلاش میں نکلنے والے،

ان کا سہارا پا کر مجھ تک رسائی پائیں

وہ بھوت جو میری روح کے اندر بیٹھ گیا تھا

کسی سمت بھاگ نہیں سکتا تھا،

اس نے ایک غیر متوقع موت کو زندہ کر لیا تھا،

میرا برفیلا وجود اسے ٹھنڈا رکھتا،

برفوں کے موسم میں اس نے بڑی سکھی

زندگی گزاری، قہقہے لگائے

گرمی کے شدید ہوتے ہی،

میری روح پھیل گئی تھی

اسی دوران وہ مجھ میں سے نکل بھاگا

بھوت اسی لئے ٹھنڈے ہوتے ہیں

مہلت

میرے بھائیوں نے ان نالوں کی طرح

دغا کی جو وادیوں میں سوکھ جاتے ہیں

اپنے راستے سے بھٹک جانے والے قافلے،

بیابان میں جا کر ہلاک ہوتے ہیں

یتیموں پر قرعہ ڈالنے والے،

دوستوں کو سوداگری کا مال بناتے ہیں،

فتنہ انگیزوں کو اپنی برہنگی چھپانے کے لیے

بدبو، سے زیادہ پرتپاکی سے ملنا پڑتا ہے،

لمبی راتوں کی سڑانڈ، بستر کی سلوٹوں میں

بنی ہوتی ہے

ایسوں کی کھال سمٹتے سمٹتے، ناسور بن جاتی ہے،

مصیبت کی راتیں، انہی کے لئے بنائی گئی ہیں

جھلستے کمروں سے سیدھا قبر میں جانے والا

پھر کبھی ابھر کر، اوپر نہیں آتا،

ہڈیوں کا جال اسے اس وقت تک

باندھے رکھتا ہے، جب تک وہ گل کر

برادے کی شکل نہ لے لیں،

اسے اپنی زندگی سے نفرت رہتی ہے،

ان کے دن بطلان ہیں

برف کی قاشیں......

چلو ایسے چہرے نوچ لیتے ہیں،
ان کی گرد میں کچھ کیچڑ کی آمیزش کرتے ہیں
جب تک تو اپنے انجام کو نہیں پہنچتا،
میرے منہ کی باتیں آندھی کی طرح رہیں گی
ناگرموتھا بغیر کیچڑ کے نہیں اگتا
سرکنڈا، پانی کے بغیر نہیں بڑھتا
وہ ہرا بھی ہو، اور کاٹا نہ بھی جائے تو
دوسرے پودوں سے پہلے سوکھ جاتا ہے
میں تمہیں صرف تھوک نگلنے کی
مہلت دے سکتا ہوں

گندے پانی کا وزن

سفر کا نام، معلوم نہیں،
شہروں کو، گٹر کے پانیوں نے
گھیر رکھا ہے،
سارے گھر بوسیدہ اور سلین زدہ ہیں،
ہماری مٹھی میں آنے والے زمانوں کی
لاشیں دبی ہیں،
یرقان اور ڈینگی کی باتیں
روز نکلتی ہیں، سارے منظر
تقدیر کے تشدد روکنے کی
نفی کرتے ہیں،
کاغذوں پر بیماریاں رد کر دی گئی ہیں،
سفید خانوں میں کالے شاہ ٹھہرے ہیں،
لوگ مرتے ہیں اور وہ بھی بغیر دانائی کے،
مقدسوں کے وضو، چھپڑوں میں ایسے ٹوٹے کہ
جڑ نہیں سکتے،
کڑھنا بے وقوف، کو مار ڈالتا ہے،
ناگہانیاں اس کے مسکن پر لعنت کرتی ہیں
ان کے بال بچے سلامتی سے دور ہیں
پھاٹکوں پر کچلے جانے والے

ویسے ہی دکھ کے لیے پیدا ہوتے ہیں
اس کال میں انہیں موت سے
بچانے والا کوئی نہیں،
زبان کے کوڑے سے وہ محفوظ کیسے رہ سکتے ہیں
ہلاکت آتی ہے تو ڈر تو لگتا ہی ہے،
پانی کو ہٹاؤ تاکہ میدان کی مٹی سے
ان کا ایکا ہو سکے
اپنے مسکنوں میں جائیں تو نئی جان کو
غائب نہ پائیں
کاش کہ ان کا کڑھنا، تولا جاتا،

مذہب

Religion مذہب سے مختلف ہے،
اس سے عقیدے کا خیال پیدا ہوتا ہے
عقیدے کو بدلا جا سکتا ہے
مذہب تو وہ ہے جس کو رولا نہیں جا سکتا،
پانی کی سیلانی کیفیت بدل نہیں سکتے
آگ کو گرمی سے جدا کرنا ممکن نہیں،
مذہب کا نہ تو آغاز معلوم ہے نہ انجام
عقیدہ تو مکڑی کا جالا ہے، جو اپنے
گھر سے ٹیک لگا کر کھڑا ہے لیکن
وہ کھڑا نہیں رہے گا،
مضبوطی سے تھامے گا، پر وہ قائم نہیں رہے گا
وہ تو دھوپ پا کر ہرا ابھرا ہو جاتا ہے
اس کی ڈالیاں اپنے ہی باغ میں پھیلتی ہیں،
اس کی جڑیں ڈھیر میں لپٹی ہیں
عقیدہ، پہاڑوں کو ہٹا دیتا ہے، اپنے قہر میں
انہیں الٹ دیتا ہے، زمین کو اس کی جگہ سے
ہلا دیتا ہے اس کے ستون کانپنے لگتے ہیں
وہ آسمانوں کو اکیلا تان دیتا ہے
سمندر کی لہروں پر چلتا ہے،

بے شمار عجائب کرتا ہے

زمین تو شریروں کے سپرد کی گئی ہے

میرے دن ہرکاروں سے تیز ہیں

اگر میں اپنے کو برف سے دھوؤں

اپنے ہاتھ صاف کروں تو میرے کپڑے

مجھ سے گھن کھائیں گے،

میرے گوشت کی آنکھوں کے پچھلے اندر

عقیدہ بکل مارے بیٹھا ہے

مذہب کو تو میں نے تلاش ہی نہیں کیا

تماشا

میدان میں مجمع بج گیا تھا،

میں نے کھڑکیاں بند کر دیں،

پردے گرا دیئے،

اندھیرا ہوتے ہی سب سے پہلے

میں نے اپنے کپڑے اتار کر

پھینک دیئے،

ٹانگیں سر پر رکھ کر

زمین پر بیٹھ گیا،

اس حالت میں، میں نے

فٹ بال کی طرح، دو چار

الٹ بازیاں لگائیں

بچے زور زور سے تالیاں بجا رہے تھے

بزرگوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی تھیں،

لڑکیوں، عورتوں کی نگاہیں

کہیں اور جمی تھیں،

پھر میں اچھل کر ایک سائیکل

کی گدی پر لیٹ گیا

دونوں ہاتھوں سے پیڈل چلانا شروع کر دیئے

لوگوں میں ننگے جمناسٹ کو دیکھنا

برف کی قاشیں.......

ایک دلچسپ اور حیرت انگیز، تماشا تھا،
ایک لڑکی مجھے پسند آ چکی تھی،
میں نے اپنے دونوں ہاتھ گردن سے اتار کر
مجمعے کو نظریں جھکا کر سلام کیا،
واہ واہ کے ساتھ نوٹوں کی بارش شروع ہوگئی
رقم اکٹھی کر کے میں نے کپڑے پہنے
بتی جلائی، پردے ہٹائے اور
کھڑکیاں کھول دیں،
لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا

منظور یہی تھا

اسے منظور یہی تھا کہ اپنا ہاتھ
چلا کر مجھے کچل ڈالے،
نہ ہی میرا جسم پیتل کا ہے اور
نہ ہی میری طاقت پتھروں کی سی ہے
میرے بھائیوں نے مجھ سے نالے کی طرح
دغا کی،
جو وادیوں میں ہوں تو سوکھ جاتے ہیں،
گرم ہوں تو غائب ہو جاتے ہیں
ان کی زرد شکلیں، ہڈیوں سے جڑی تھیں
موت نے ان سے تعاون کر رکھا تھا،
ہر روز وہ ایک میت سڑک پر لے جاتے
بھیڑیے، کبھی لڑنے سے باز نہیں آتے
اگلے روز وہ مسجدوں میں اعلان کراتے
خونی دروازے پر ایک اور لاش
لٹکائی جائے گی ہر وہ شخص جو اپنی
جیبوں میں انسانوں کے دکھ رکھتا ہے،
اپنے ہی جسم سے ایندھن کا کام دے گا
اپنے تالے کھولتے رہو، بند کرتے رہو،
جب دن رات ملنے کے قریب ہوں گے

تو ہم ایک دوسرے کو
پہچاننے کی کوشش کریں گے
میرے کمرے میں کچھ مردہ سانسیں اور
تنہائی کی بو آن بچی ہے
کچھ کثیف خواب ہیں جو
دلدلوں میں ڈوبے ہیں
میں اس اٹل دکھ درد میں بھی،
شادمان ہوں،
میری طاقت ہی کیا ہے جو میں
ٹھہرا رہوں

شعور

میری زندگی ایک غیر سنجیدہ عمل ہے جسے
میں روز پھاڑ کر نئے سرے سے لکھتا ہوں
میری محبوبائیں عارضی داستانیں تھیں
جن کو بغل میں لے کر مجھے دوستوں کی
دوسری بہنیں یاد آتی تھیں
میں نے اپنے معاشقوں کو
ابلیس کی مدد سے پروان چڑھایا
وہ میرا وکیل ہے اور میری زمین کے سارے
کاغذات اس کے پاس ہیں،
وہ ہر صبح میرے منہ میں پیشاب کر کے
ایک نئی زندگی کی لذت سے آشنا کرتا ہے
میرے لیے نئی چڑیلیں پکڑ کر لاتا ہے

کسی دن، جب میری طبیعت اکتائی ہو
ہم آپس میں جلسہ کر لیتے ہیں
اس شام میں شرم سے خودکشی کر لیتا ہوں
میں ڈرتا ہوں کہ اگر کسی نے اپنے موبائل سے
اس کی فلم بنائی تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا
اس کی طاقت کو دیکھ کر

سب مجھے چھوڑ کر بھاگ جائیں گی

لیکن مجھے پتہ ہے، ان کا شعور

مادی طور پر متاثر نہیں ہوگا،

شعور تو میں ہوں

مجھے برتری حاصل ہے جسم کا ہر حصہ،

پورے جسم کے ساتھ تعاون کرتا ہے،

خودکشی کا طریقہ

ایک ہی حملے میں خودکشی سے گذر جانا محض آ

حماقت ہے

خودکشی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جیسے زندگی

آدمی کو قسطوں میں مارتی ہے،

ہمیں بھی موت کو قسطوں میں مارنا چاہیے

خودکشی کرنے کے لیے، ہم کسی

تیز رفتار سڑک کنارے بیٹھ سکتے ہیں

خود اپنی آنکھیں نکال کر اپنا ہاتھ

کسی بوڑھے کے لرزتے ہاتھوں میں

پکڑا سکتے ہیں

زندگی کو ریت کے گھروندے میں بند کر کے۔

اس کی سانس کو کچھ لمحوں کے لیے

دفن کر سکتے ہیں

کسی شریر بچے کو پکڑا کر اسے خود کو،

گیند کی طرح، زور زور سے دیوار سے

مارنے کے لیے دے سکتے ہیں

چولھے میں جلنے والی لکڑی کی آخری نوک پر

بیٹھ کر، دھیرے دھیرے آگ کو

بڑھتے دیکھ سکتے ہیں

برف کی قاشیں......

بستر کی شکنوں میں لیٹ کر ساری رات
ادھوری سانس میں گرفتار ہو سکتے ہیں
کھڑکیوں سے اترتی تازگی کو اپنے ناہموار
خدوخال کی تہوں سے جھاڑ پھینک سکتے ہیں،
ہر رات سونے سے پہلے اپنے ہاتھ بازو
ٹانگیں، سر کھول کر سرہانے پڑے
میز پر رکھ سکتے ہیں
بک شلف سے ''خودکشی کے عمدہ طریقے''
والی کتاب کا
ایک سبق روزانہ پڑھ سکتے ہیں،
یوں بھی ممکن ہے کہ رات کو اپنے پاؤں
کمبل سے باہر رکھ کر بھول جائیں
آنکھوں کو آئی سلوشن میں رکھ دیں
مرچوں کا ڈبہ اچار کی بوتل
ایک اچھا انتخاب ہے

رات کی رویا

میری کھال اور میرا گوشت
ہڈیوں سے چمٹ گئے ہیں،
میں بال بال بچ نکلا ہوں
وہ بھگوان کی طرح ستاتے ہیں
کاش کوئی میری باتیں لکھ پاتا،
کاش وہ لوہے کے قلم سے،
چٹانوں پر کندہ کر دی جاتیں
میں جانتا ہوں، میں اپنی کھال کے
برباد ہو جانے کے بعد بھی،
خود کو دیکھنے والا ہوں،
اگرچہ میرے گردے،
میرے اندر فنا ہو گئے ہیں،
میں نے اپنی جلد بازی کے سبب
ہمیشہ جھڑکیاں سنی ہیں،
کمال آسودہ حالی کے باوجود تنگی میں رہا ہوں
سرد ہاتھوں سے اپنے پاؤں جکڑے رکھے ہیں
مستقل جانکنی کے عالم میں رہتے ہوئے
بنجر ریت کی ناف میں، تیل ٹپکانے کے
سوراخ تعمیر کیے ہیں

دہکتے دنوں کی مٹی مجھے چاٹ گئی ہے
قیامت کے ڈر اور جدائی کے
صدموں کی ویرانیاں
صداؤں کی آندھیاں، کھڑکیوں سے
ڈائنوں کی چیخیں
سانپوں کی شوگریں سناتی رہی ہیں،
پہرے داروں کی کوکیں،
قبرستان کے راستے دکھاتی رہی ہیں
یہ دھرتی ہی شورزدہ تھی
پرانی سوچیں نئے لفظ کہاں سے لاتیں
وہ رات آئی ہے جسے رویا کی طرح
دور کردیا جائے گا

بچھڑا ہوا دوست

وہ مجھ سے لوٹ کر آنے کا کہہ کر گیا تھا
لیکن پتہ نہیں اسے پچھلی نسل نے
محصور کرلیا ہے،
اکیلا گم ہوجانے والا،
ہمیشہ سے پیتل کے موروں کا دلدادہ تھا،
اسے تجریدی آرٹ کی کالی بھیانک
تصویریں، اچھی لگتی تھیں،
اسے مری ہوئی روحوں کی دوستیاں
بہت پسند تھیں
وہ کئی باران کی براتوں میں شریک ہوا
مردہ لڑکیوں کے رقص پیش کرنے والے
کلبوں کو اس کا شدت سے انتظار تھا
اسے ان کے ڈھلکے سینوں پر
سونے کی عادت پڑ گئی تھی
جوں جوں اس کی عمر گزری، اس کی
محبت نباتات وحیوانات سے بڑھتی چلی گئی
وہ ہمیشہ کچی پگڈنڈیوں پر
ربڑ سول کے جوتے پہن کر چلتا تھا تاکہ
درختوں پر سونے والے پرندے کہیں

اس کی آہٹ سے جاگ نہ جائیں
اسے دیو ہیکل فرشتوں کے
جوتوں سے اترتے ہوئے
درختوں کی چھال کے موزے، لنگڑانے پر
مجبور کرتے تھے
چوتھی عالمی جنگ میں اس کا کردار
بڑا مشکوک رہا

بچھڑتے ہوئے آخری شام ہم نے ایک ہی
بھینس کا دودھ پیا تھا
وہ شائد شرمندگی سے واپس نہیں آیا
اس کی ماں جائی نے اسے مجھ سے
ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا

پینٹنگ

تھوڑی دیر میں میں یہ جھیل
اوڑھ کر سو جاؤں گا۔
کینوس پر ایسی جھیلیں بنانے سے
تنہائیاں تابوتوں میں
لا پھینکتی ہیں،
شام کو جلتی بجھتی روشنیاں،
ان پر تیرتی کشتیوں کو اور بھی سیاہ بنا کر
چٹانوں کی شکل میں بدل دیتی ہیں
عرشے پر ساقط چہرے
بھیانک روپ دھار لیتے ہیں
بادلوں کے اوپر چاند افق
غصے سے سرخ پڑ جاتا ہے،
کنارے پر پھرتے انسان مکھیوں میں
بدل کر آس جمائے بیٹھ جاتے ہیں،
سروں پر در بدر اڑتے پیلے پتے
جاگنے والوں کی آنکھ میں چونا ڈال دیتے ہیں،
پتھر کے شہزادے پیچھے نہ مڑنے کا تاثر لئے
بھاری قدموں کے ساتھ پتھر کے مجسمے
دکھائی دیتے ہیں

برف کی قاشیں-------

نئے منظروں کی اٹک، اپنے حقیقی
منظروں سے کاٹ دیتی ہے،
دائرے اپنی گردش سے محور سے
ہٹ جاتے ہیں
مجھے اب اپنے کپڑے اتارنے دو
یہ پینٹنگز تو ہمیشہ،
ننگا کر کے چھوڑتی ہیں

پکڑ

قبرستان کی آدھی تختیوں سے
ان کے مکینوں کے نام مٹ چکے ہیں
مجھے سرہانے پر نیم پلیٹ لگانا،
احمقانہ قدم لگتا ہے،
مجھے پتہ ہے، نہ تو میں شہید ہونے والا ہوں
نہ ہی مجھے تمغہ خدمت ملنے کی امید ہے،
میں نے شاعری اور ادب سے ہٹ کر
سائنس میں بھی کوئی نام پیدا نہیں کیا
ایسی زندگی جس میں موت ایک قدم کے فاصلے
پر ہو
کوئی تعمیری کام کیا ہی نہیں جا سکتا
اتنا کافی ہے کہ آپ ایک آدھ آدمی کو
سسکتا ہوا چھوڑ جائیں جو ہر سال
دس محرم کو آپ کی قبر کی لپائی کرا دے
کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی خواب کی طرح
اڑ جائے گا، پھر نہیں ملے گا،
اس کی ہڈیاں بھی خاک میں مل جائیں گی
اس سے پہلے کہ تم دنیا سے گزر جاؤ
اسے لوہے کے ہتھیار سے بھگا دو،

برف کی قاشیں.......

پتیل کی کمان سے چھید ڈالو
میری اور اس کی موت کے درمیان
سانس کا محض ایک لمحہ ہے، عمر کی ہوا کا
ایک جھونکا ہے،
تیز دھار کی تلوار ہے،
ہم اسی کے دوسرے تھامے
چل رہے ہیں، بس قبر کی پکڑ
میری طرف ہے،

منزلیں

یہ زمین جس پر گورکنوں کا قبضہ ہے
اس میں سینکڑوں گل سڑی لاشیں ہیں
وقت نے ان سے، ان کے
وارث چھین لیئے ہیں،
یہ سب کے سب ایک ہی وردی
پہنے یہاں آئے تھے
ان سب پر ایک ہی کافور
چھڑکا گیا تھا، ایک ہی رنگ کے پھول
پہنائے گئے تھے
سوتے ہوئے سب پر ایک ہی سیاہ چادر
ڈالی گئی تھی جس پر لکھے الفاظ
یہ پڑھ نہیں سکتے تھے
ان کے عزیزوں نے ایک ہی طرح کی
رسمیں، ان کے تیل مہندی پر ادا کی تھیں
دھوم دھام سے باراتیں نکالی تھیں
ولیمے شادی کے کھانے بھی عمدہ تھے
کھانے والوں کی بھیڑ میں غریب شہر
امیر شہر شامل تھے جن کے چہروں پر
پژمردگی لٹکی تھی، پیٹ بھوک سے جلتے تھے،

سارے جانے والوں کو راہگیروں نے
رک کر سلامی دی تھی
ان کو نئے گھروں میں پہنچا کر ان کے سروں پر
تاریخ پیدائش کے ساتھ تاریخ وفات نصب کر
دی تھی
اب تو کیڑوں نے ان کی دعاؤں کے
سارے کفن کھا لئے ہیں،
نیک لوگ جن کو دیمک نے نہیں کھایا
ان کی ہڈیوں پر مکڑیوں کا جالا ہے

نغمے

دھاگوں میں منکے پروئے جاتے ہیں،
سورج، پانی، آگ، کے حضور
منتر پڑھے جاتے ہیں،
آسمان، عقل اور غرور سے
انکشاف وارد ہوتے ہیں،
روح دور کھڑی ہنستی ہے،
سامنے ہوتی ہے تو ان کے
رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں،
سناٹا کہتا ہے، کیا آدمی اپنے
خالق سے زیادہ پاک ٹھہرے گا
مٹی کے مکانوں میں رہنے والوں کی بنیاد
خاک میں ہے
وہ صبح سے شام تک ہلاک ہوتے ہیں،
پھر ہمیشہ کے لیے فنا ہو جاتے ہیں،
ان کے ڈیروں کی ڈوری،
ان کے اندر ہی سے
توڑی جاتی ہے
میں نے بیوقوف کو جڑ پکڑتے دیکھا ہے،
اس کے بچے، پھاٹک پر ہی کچلے جاتے ہیں

مصیبت مٹی میں نہیں اگتی اور نہ ہی
دکھ زمین سے نکلتا ہے
طلسمی درختوں پر بیٹھے پرندے کہتے ہیں،
اس کو موت کی فرصت نہیں،
اس کی عمر، ہر روز رقص کرتی ہے،
زمین کی موت تو سب کے
بعد آنے والی ہے،
اس کے ہاتھ میں خون ریز،
چمک دار خنجر ہیں،
ہر لمحے اپنے سینے کا بوجھ کم کرنے میں
لگی رہتی ہے،
موت سے پہلے نہ مرنے والوں کے نغمے
سنتی رہتی ہے۔

ایسی خوشی

میری طاقت ہی بھلا کہاں ہے کہ میں
موت کو بغل میں لے کر کھڑا رہوں،
خوابوں کی گٹھڑی
کچرے کے ڈبے میں
پھینک کر فرار ہو سکوں
میں بے قابو بارش سے
بھاگ کر نہیں نکل سکتا
یخ وادیوں کے نالوں
میں برف چھپی ہے
گرم ہوتے ہی غائب ہو جاتی ہے
اپنی جگہ سے اڑ جاتی ہے
تما کے قافلے آنکھ جمائے،
صبا کے کاروانوں کو دیکھتے ہیں،
میرے سانس، شرمندگی کے سبب
لوٹ آتے ہیں،
وہاں تو تمہاری بھی کوئی حقیقت نہیں تھی
ڈراؤنی چیزیں تمہیں بھی ڈراتی تھیں
آدمیوں کو الٹا چلاتی تھیں،
تمہاری دلیلیں کس بات کی تردید کرتی ہیں

برف کی قاشیں-------

مانوس کی باتیں،
ہوا کی طرح ہوتی تھیں
نیندیں کسی دوسرے گھر
میں جاگریں تو
ان کو دفنانا، جذب کرنے سے
مشکل ہوتا ہے
اب میرا جسم، مٹی کے ڈھیلوں سے
ڈھکا ہے،
آؤ تمہاری آنکھ ایسی خوشی
پھر کبھی نہیں دیکھے گی

بھروسہ

بادل پھٹ کر غائب ہو چکے ہیں،
قبر میں اترنے والا واپس نہیں آتا
اگر لوٹ بھی آئے تو وہ اپنے گھر کبھی
واپس نہیں آئے گا اور نہ اس کی جگہ
اس کو پہچانے گی
اگر میں اپنی روح کی تلخی میں
بولتا چلا جا رہا ہوں
تو میں اپنے جان سے ہی
شکوہ کر سکتا ہوں
میں نہ تو سمندر ہوں نہ ہی مگر مچھ
کہ مجھ پر پہرا بیٹھایا جائے،
میرا بچھونا مجھے ڈراتا رہتا ہے کیونکہ تو
میرے خوابوں میں بھی آتا رہتا ہے
میری ہڈیاں،
موت کو سانس پر ترجیح دیتی ہیں
میں اپنی جان سے نفرت کرتا ہوں
یہ میری بساط سے باہر ہے کہ میں
اپنے دل کی ہر صبح
نئے سرے سے خبر لوں،

تیری نظریں ہر وقت مجھ ہی پر
کیوں ٹکی رہتی ہیں
تو مجھے اتنی مہلت بھی نہیں دیتا کہ میں
اپنا تھوک نگل لوں،
جبھی میں مٹی میں سونے جا رہا ہوں
تب تو مجھے خوب ڈھونڈے گا
مگر مجھے نہیں پائے گا،
میرے دن تھوڑے رہ گئے ہیں،
مجھے اب پانچ تھوڑے اوپر
اٹھا کر چلنے دے
مجھے سامنے رکھ، اور پچھلے زمانے کے
لوگوں سے بھی پوچھ
وہ تجھے کبھی اپنے دل کی باتیں
نہیں بتائیں گے
ان کا بھروسہ تو مکڑی کا جالا ہے

رشتے

اپنے اپنے فہم کے مطابق
کچھ مماثلتیں، کچھ مطابقتیں لکھ کر
ہم معروف رشتوں کے نام رکھتے ہیں،
محبت کی صلیب پر چڑھا کر،
بے غرضی کی ٹسٹ ٹیوب میں،
پاکیزہ کیفیات کا نور تخلیق کرتے ہیں،
پھر بھی پتہ نہیں وجہ کیا ہے کہ ہم
محبت کی اس انتہا تک پہنچ جاتے ہیں،
جہاں محبوب ہستیاں، آزاد فضا میں
پرواز کے لئے تحریک دینے کی بجائے
اپنی مجبوری محتاجی اور بے بسی کا
بندھن باندھتی رہتی ہیں،
بظاہر وفادار دکھائی دینے والے رشتے
اپنی غرضوں میں لپٹے رہتے ہیں،
کبھی محبتوں، خوبصورتیوں اور ذہانتوں کے
بے لوث قدر دان نہیں بنے
کون ایسا ہے جو ان کرنوں، خوشبوؤں
اور پرندوں کو تحفظ دے
خود الزام سہے اور انہیں

بہت خلوص کے ساتھ
اپنی مرضی کی آزادی دیئے رکھے
کس کی بھی سوچ
غاصبانہ خودغرضی یالالچ کے بغیر نہیں
خودغرضی کے گورکھ دھندوں کے اندر
گھومتی چکراتی دنیا سے
آخری حد پوری کرنے کی توقع
کیوں کر رکھیں
حوصلامند اور حقیقت آشنا ہونا ہمیشہ
رومانوی حد تک پر امید ہوسکتا ہے

ولدیت

خانہ بدوش، خیمے بدل رہے ہیں
قانون کی برفباری نے اڑا کر رکھ دیا ہے،
فی الحال، لیاری گینگ وار، روک دی گئی ہے
طلاق کے بعد پیدا ہونے والے بچے کی
ولدیت کا چودہ سال بعد بھی فیصلہ نہیں ہوسکا
ماں DNA، ٹسٹ پر راضی نہیں، تاج محل کا
مینار، چار سینٹی میٹر، جھک گیا ہے،
دریا میں پانی کم ہونے کی وجہ سے
اس میں دراڑیں پڑ گئی ہیں
ماں نے کروشیا بُن کر بچے کو بڑا کیا
مسلم ٹاؤن میں پانچ مرلے کی کوٹھی
اس کے مرحوم ماموں نے حمی کی تھی
جس کی تملیک گم ہوگئی ہے
لڑکا، اکثر سکول سے رفو چکر ہو جاتا ہے
اس کا زیادہ وقت بارہ ٹہنی کھیل کر گزرتا ہے
سائیں بھی اسکا کوئی حل نہیں بتاتا
الیا سائیناں والا کہتا ہے، کورٹ
کبھی نہیں مان سکتی، اسکا باپ کون ہے
اگر وہ پسند کرے تو اپنی ولدیت کے خانے میں
اسکا نام لکھوادے۔

مصنف

نام : شاہد زبیر

پیدائش : 1947ء لاہور

تعلیم : ایم اے پنجاب یونیورسٹی لاہور

تعلیمی ادارے : ایمرسن کالج ملتان، ایف سی کالج لاہور
پنجاب یونیورسٹی لاہور

تخلیقات

......کمال مطلوب — تحقیقی مضامین — ......اپنائیت کا سفر — نثری نظمیں
......آگہی — تحقیقی مضامین — ......منسوخ نیند — نثری نظمیں
......ترغیب — دینی مقالات — ......سوچ میں بیٹھے رنگ — نثری نظمیں
......حاجت مطلوب — مجموعہ وظائف — ......کردسان — مختصر نظمیں
......قرآنی پیشین گوئیاں — قرآن پاک سے — ......سرخ موسم — نثری نظمیں
......کیمیاء سعادت — تلخیص — ......کمہار کے برتن — نثری نظمیں
......کشف المحجوب — تلخیص — ......سات سطروں کی کہانیاں — نثری نظمیں
......کیمیاء ہدایت — تصوف — ......دیوانے کا روزنامچہ — نثری نظمیں
......حکایاتِ اولیاء — تاریخی ادب — ......برف کی قاشیں — نثری نظمیں
......گھاس پر لکھی کہانیاں — افسانے — ......نمائندہ امریکی نظمیں — ترجمے

آنے والی کتابیں

......مکالمات (اُردو ادب) — برف پر لکھی کہانیاں (افسانے) — ......سفرنامہ امریکہ امر
......چڑی کہانی (نظمیں) — آیات تنبیہ (قرآن پاک سے) — ......ہائیکو نظمیں

DASTAK PUBLICATIONS
Gulgasht Colony, Goal Bagh, Multan
Cell: 0302 7766622
Email: dastakpublication@yahoo.com